

امر بالمعروف

اور

نہی عن المنکر

www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَنْظِیْمِ اِسْلَامِی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی رومہ

معدنہ البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 library@mohaddis.com

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

www.KitaboSunnat.com

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی پاکستان

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے علامہ اقبال روڈ۔ گڑھی شاہو لاہور

فون: ۳۰۵۱۱۰

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

www.KitaboSunnat.com

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی پاکستان

مرکزی دفتر: ۶۷- اے علامہ اقبال روڈ۔ گڑھی شاہو لاہور

فون: ۳-۵۱۱۰

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶-۳۷ کے ماڈل ٹاؤن

286

اسلامی

۱۱

محمد انور

www.KitaboSunnat.com

نام کتاب _____ نہی عن النکر کی خصوصی اہمیت

بار اول (مئی ۱۹۹۰ء) _____ ۱۰۰۰

بار دوم (ستمبر ۱۹۹۰ء) _____ ۱۰۰۰۰

ناشر _____ ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مطبع _____ مکتبہ جدید پریس۔ ریلوے روڈ لاہور

مقام اشاعت _____ مکتبہ دارالافتاء لاہور، فون: ۸۵۶۰۰۳

مکتبہ دارالافتاء

۹۹۔ جے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

۱۹۹۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

امتِ مسلمہ کی غرض تائیس

قرآن حکیم کی دو اصطلاحات کے حوالے سے

امتِ مسلمہ کی غرض تائیس اور اس کے مقصد و وجود کے بیان میں قرآن مجید نے دو اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ان میں سے ایک اصطلاح ذرا فلسفیانہ ہے اور اسے سمجھنے کیلئے بڑے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ دوسری اصطلاح نسبتاً عام فہم اور آسان ہے۔ قرآن حکیم چونکہ عوام اور خواص سب کے لیے کتابِ ہدایت ہے، اس میں فلاسفہ و حکماء کے لیے بھی رہنمائی ہے اور عوامِ اناس کے لیے رہنمائی کا فریضہ بھی اسی کتابِ عزیز کو سرانجام دینا ہے، لہذا آپ دیکھیں گے کہ اس میں اگرچہ بڑے گہرے علمی مضامین اور فلسفیانہ مباحث بھی ہیں، لیکن یہ اپنے اصل مقصد کو بڑے عام فہم انداز اور بڑی سلیس زبان میں بھی ادا کر دیتا ہے۔ تاکہ ایک طرف اہلِ خرد کے لیے سامانِ غور و فکر مہیا ہو جائے تو دوسری طرف عوام بھی اس کی ہدایت و رہنمائی سے محروم نہ رہیں۔ چنانچہ امتِ مسلمہ کی غرض تائیس کے لیے بھی اس میں دو اصطلاحات بیان فرمائی گئیں۔ (۱) شہادت علی الناس (۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

ان دو اصطلاحات پر غور کرنے سے پہلے امت کی غرض تائیس کی اہمیت کو سمجھتے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی بھی اجتماعی ہیت تشکیل دی جائے، خواہ وہ ایک چھوٹے سے چھوٹا ادارہ ہی کیوں نہ ہو، تو سب سے پہلے اس کے اغراض و مقاصد اور اہداف معین کیے جاتے ہیں۔ تو یہ جو اتنی بڑی امت تشکیل دی گئی تو اس کی غرض تائیس کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔ امت کے تو معنی ہی ہم مقصد لوگوں کی اجتماعیت کے ہیں۔ عربی زبان میں "اَمْرٌ - كَيْوُفْرٌ" کے معنی ہیں "قصد کرنا، ارادہ کرنا۔ قرآن مجید میں حجاج کرام کو "اَمِیْنِ الْبَیْتِ الْحَرَامِ" کہا گیا ہے جو اطراف و اکنافِ عالم سے بیت اللہ شریف کا قصد کر کے چلتے ہیں۔ "اَمْرٌ - كَيْوُفْرٌ"

ہی سے لفظ ”أمة“ بنا ہے، یعنی ایسے لوگوں پر مشتمل اجتماعیت جن کا قصد ایک ہے، مقصد ایک ہے، ہدف ایک ہے۔ ہماری ہمتی ہے کہ ہم میں اکثر نے اس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غرض تائیس اور اس کے مقصد و وجود کے بارے میں کبھی غور بھی نہیں کیا۔ اس امت کی کنیت میں پیدائشی طور پر ملی ہے۔ ہم مسلمان اس لیے بن گئے ہیں کہ ہم اللہ کے فضل سے مسلمانوں کے ہاں پیدا ہو گئے اور اسلام کی یہ دولت ہمیں بغیر کسی ایثار و قربانی اور محنت و مشقت کے اور بغیر کوئی نقصان برداشت کیے ہوئے میسر آگئی۔ لہذا ہم نے اکثر و بیشتر کبھی یہ غور کرنے کی تکلیف تک نہیں کی کہ اس مسلمان ہونے کے تقاضے کیا ہیں! اس امت مسلمہ کی غرض تائیس کیا ہے! یہ امت آخر کیوں برپا کی گئی ہے! تو آئیے آج امت کی اس غرض تائیس کو قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھیے! جیسا کہ ابھی بتایا گیا ہے، قرآن حکیم نے اس کے لیے دو اصطلاحات استعمال کی ہیں:

ارشاد تباری علی الناس

ارشاد تباری تعالیٰ ہے:-

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونُوا

(البقرة: ۱۴۳)

الرَّسُولَ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

”اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک درمیانی امت (بہترین امت) بنا دیا، تاکہ تم گواہ ہو جاؤ

لوگوں پر — اور رسول گواہ ہو جائیں تم پر“

قرآن حکیم کا ایک اصول میں نے بار بار بیان کیا ہے اور میرے دروس کی محافل میں شرکت کرنے والے حضرات نے مجھ سے کئی مرتبہ یہ بات سنی ہوگی کہ مطالعہ قرآن اور اس پر غور و فکر کے دوران میں نے دیکھا ہے کہ قرآن حکیم میں اہم مضامین کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ یہ مضمون جو سورۃ البقرة میں دوسرے پارے کے آغاز میں آیا ہے، سورۃ الحج کی آخری آیت میں بھی وارد ہوا ہے، جہاں مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا: وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ۔ یعنی اللہ کے راستے میں جہاد کرو، محنت اور جدوجہد کرو، جیسا کہ اس کی جدوجہد کا حق ہے۔ هُوَ اجْتَبَاكُمْ: اس نے تمہیں چُن لیا ہے، پسند کر لیا ہے، لیکن یہ چناؤ، یہ انتخاب کس لیے ہوا:

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ -

”ناکر رسول گواہ بن جائیں تم پر اور تم گواہ بن جاؤ پوری نوع انسانی پر!“

دونوں مقامات پر مضمون ایک ہی ہے، صرف ترتیب کا فرق ہے۔ سورۃ البقرہ میں آیت کا ذکر پہلے ہے اور رسول اللہ کا ذکر بعد میں۔ جبکہ سورۃ الحج میں رسول اللہ کا ذکر پہلے ہے اور امت کا بعد میں۔

”شہادت علی الناس“ اپنی جگہ ایک مستقل موضوع ہے اور اس پر اسلام کا فلسفہ شہادت کے عنوان سے میرے کیسٹ موجود ہیں۔ اس ”شہادت علی الناس“ کا معنی اور مفہوم کیا ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ شہادت کسی کے حق میں ہوتی ہے اور کسی کے خلاف۔ آپ اگر کسی مقدمے میں بطور گواہ پیش ہوتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ آپ کی گواہی ایک فریق کے حق میں جاتی ہے اور دوسرے کے خلاف جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں بھی گواہی کے یہ دونوں پہلو آتے ہیں۔ کسی کے حق میں گواہی کو ”ل“ کے ساتھ اور کسی کے خلاف گواہی کو ”علی“ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ النساء میں فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ یعنی اے ایمان والو! اللہ کے حق میں گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ۔ اپنی زبان اور اپنے عمل سے اللہ کی توحید اور اس کے دین کے گواہ بن جاؤ؛ تمہارا عمل گواہی دے رہا ہو کہ تم اللہ کے ماننے والے ہو، تمہارا طرز عمل پکار پکار کر لوگوں کو تبارہا ہو کہ یہ محمد عربی کے نام لیوا ہیں۔ یہ گواہی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے، جسے علامہ اقبال نے کہا ہے: دے تو بھی محمد کی صداقت کی گواہی؛ لیکن یہ گواہی کسی کے خلاف بھی پڑ رہی ہے۔ آپ نے جب دنیا کے سامنے دین کی حقانیت اور محمد رسول اللہ کی صداقت کی گواہی دے دی تو اب ان کے اوپر ایک گواہی قائم ہو گئی۔ اب قیامت کے دن وہ یہ عذر پیش نہیں کر سکیں گے کہ اے اللہ ہمارے سامنے تو تیرا دین آیا ہی نہیں، ہمیں تو کسی نے بتایا ہی نہیں کہ اللہ کیا چاہتا ہے، ہمیں تو کسی نے نہ تیرے ساتھ متعارف کرایا، نہ تیرے رسول کے ساتھ اور نہ تیرے کلام کے ساتھ ابرہہ لوگوں پر گواہی کا قائم ہو جانا جو قیامت کے دن ان کے خلاف پڑے گی۔ اس لیے کہ اگر علی ہو تو پھر بھی کوئی عذر پیش کیا جاسکتا ہے کہ اے اللہ مجھے معلوم نہیں تھا۔ اگرچہ آپ کو معلوم

'IGNORANCE OF LAW IS NO EXCUSE' کہہ کر دنیا میں تو عدالت کا اصول یہ ہے کہ آپ کو اگر قانون معلوم نہیں ہے تو آپ عذر نہیں پیش کر سکتے۔ قانون چاہے آپ کے علم میں ہو، چاہے نہ ہو، آپ قانون کی گرفت میں آئیں گے۔ لیکن عدالت اُفروی میں معاملہ یہ نہیں ہے۔ وہاں لاعلمی بھی ایک عذر کے درجے میں آجاتے گی۔ لہذا اللہ رسولوں کو بھیجتا رہا تاکہ لوگ لاعلمی کا عذر پیش نہ کر سکیں۔ رسول اپنے قول و عمل اور کردار سے گواہی دے دیں کہ یہ ہے دینِ حق، یہ ہے اللہ کا دیا ہوا راستہ جس پر میں چل کر دکھا رہا ہوں۔ یہ راستہ ناقابلِ عمل بھی نہیں ہے، دیکھو میں تم جیسا انسان ہوں، مجھے بھی پیٹ لگا ہوا ہے، میری بھی احتیاجات ہیں میرے بھی بال بچے ہیں؛ زندگی کے تمام تقاضے میرے ساتھ بھی ہیں، پھر بھی میں اللہ کا بندہ بن کر زندگی گزار رہا ہوں تو اس طرح سے لوگوں پر حجت قائم ہوتی ہے۔ یہ درحقیقت انبیاء و رسول کے مقصدِ بعثت کے ضمن میں قرآن حکیم کی اہم ترین اصطلاح ہے۔

چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہو رہا تھا، لہذا یہ ذمہ داری اجتماعی ملو پر امت کے سپرد کر دی گئی۔ اب انہیں اپنے قول و عمل سے انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ گواہی دینی ہے۔ اور یہی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ تاسیس ہے، لہذا اے الفاظِ قرآنی:

وَكذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْنٰكُمْ شٰهِيْدًا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنے خطبہ حج الوداع میں لوگوں سے گواہی لے لی: الاھل بلغت بہ "لوگو! میں نے پہنچا دیا، اور سو الاکھ کے مجمع نے بیک بان کہا: اِنَّا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاذْبَيْتَ وَنَصَحْتَ۔ "ہاں حضور، ہم گواہ ہیں، آپ نے حق رسالت ادا کر دیا، حق امانت ادا کر دیا، حق نصیحت ادا کر دیا۔" پھر اللہ کی جناب میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ۔ "اے اللہ تو بھی گواہ رہ!" اب میری ذمہ داری ختم ہو گئی، میرا فرض منصبی ادا ہو گیا۔ پھر لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا: فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدَ الْغَائِبَ "پس اب پہنچائیں وہ جو موجود ہیں ان کو جو موجود نہیں ہیں۔ یعنی اب یہ ذمہ داری میرے کندھوں سے اتر کر تمہارے کندھوں پر آگئی ہے۔ اب تمہیں یہ پیغام چار دانگ عالم میں پہنچانا ہے، اس لیے کہ میں صرف تمہارے لیے ہی رسول بن کر نہیں آیا تھا، بلکہ میں تو پوری نوعِ انسانی کے لیے رسول

بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں تو ناقیام قیامت اللہ کا رسول ہوں۔ جتنے انسان اس وقت دنیا میں ہیں اور جتنے انسان ناقیام قیامت آئیں گے میں ان سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اب یہ شہادت جو میں نے تم پر دی ہے، تمہیں دینی ہے پوری نوع انسانی پر!

بدقسمتی سے ہمارے ہاں لفظ شہادت کے صرف ایک ہی معنی عام ہو گئے، یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہو جانا ہی شہادت ہے۔ اور شہید کا صرف یہی ایک مفہوم رہ گیا کہ جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہو لڑا جائے۔ قرآن مجیم شہد اور شہید کے الفاظ انبیاء و رسل کے لیے استعمال کرتا ہے۔ قرآن کی رو سے تمام رسول شہید ہیں، حالانکہ رسول اللہ کی راہ میں قتل نہیں ہوئے۔ نبی ضرور قتل ہوتے ہیں، لیکن رسول کو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود تمام رسول شہید ہیں۔ سب اللہ کے گواہ ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے عمل سے گواہی دیتے ہوئے بسر ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔
(النساء: ۴۱)

”اُس دن کیا کیفیت ہوگی جبکہ ہم ہر امت پر ایک گواہ لاکھڑا کریں گے اور اے نبی! آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے ان پر!“

جس امت کی طرف جو رسول بھیجے گئے وہ اُس عدالتِ ارضوی میں شہادت دیں گے؛

TESTIFY کریں گے۔ رسول سرکاری گواہ (PROSECUTION WITNESS) کی حیثیت

سے کھڑے ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ تیرا دین اور تیرا پیغام جو مجھ تک آیا تھا میں نے ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ خود ذمہ دار اور متول ہیں۔ اور پھر آخر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئیں گے اور اپنی امت کے بارے میں TESTIFY کریں گے کہ اے اللہ میں نے انہیں تیرا دین پہنچا دیا تھا۔ اب اپنے طرز عمل کے ذمہ دار اور متول یہ خود ہیں۔ پھر امت مسلمہ کو کھڑے ہو کر یہی شہادت دینا ہوگی۔ اور اگر نہ دے سکی تو وہ گویا کہ دوسروں سے پہلے مجرم ہوگی۔ دوسروں کو دین کا پیغام پہنچانا اس کے ذمہ تھا، اگر اس نے نہیں پہنچایا تو دوسروں کی نافرمانی اور گمراہی کا وبال بھی اس پر آئے گا۔

(۲) امر بالمعروف ونہی عن المنکر

امتِ مسلمہ کی غرض تائیس کے لیے قرآن حکیم میں آسان تر اصطلاح ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ کی اختیار کی گئی ہے۔ سورۃ آل عمران میں امت کی غرض تائیس کے لیے یہ اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران آپس میں بہنیں ہیں یعنی یہ دونوں سورتیں ایک جوڑا ہیں۔ سورۃ آل عمران میں فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ - (آل عمران: ۱۱۰)

”تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم کرتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

دنیا کی قومیں اپنے لیے زندہ رہتی ہیں، اپنے لیے جدوجہد کرتی ہیں، اپنی ترقی، اپنی عظمت، اپنی سر بلندی اور اپنے لیے قوت و سطوت حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوتی ہیں۔ لیکن اے مسلمانو تمہیں دنیا والوں کے لیے زندہ رہنا ہے۔ جیسے اقبال نے ”شکوہ“ میں کہا ہے:

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں ترانام ہے کہیں ممکن ہے کہ ساقی زہے جام ہے!

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو۔ تمہارا کام کیا ہے؟ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ نیکی کا حکم دو! وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ اور بدی سے روکو! وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ۔ اور اللہ پر ایمان پختہ رکھو!! یہاں اس بات کو پھر ذہن میں تازہ کیجئے کہ اہم مضمون قرآن حکیم میں کم از کم دو مرتبہ ضرور آتے ہیں۔ چنانچہ اسی سورۃ مبارکہ میں یہ مضمون اس انداز سے آیا:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ - (آل عمران: ۱۰۴)

”اور تم میں ایک امت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

ان دو آیات کے مابین ربط ملاحظہ کیجئے۔ پہلی آیت صحابہ کرام کو خطاب کر رہی ہے۔

صحابہ کرامؓ وہ حضرات تھے جن میں سے ایک ایک فرد کو یہ معلوم تھا کہ میرا فرض منصبی کیا ہے۔ میں کس لیے امت محمدؐ میں شامل ہوا ہوں، بحیثیت امتی میری ذمہ داری کیا ہے۔ لہذا وہاں مجموعی طور پر امت کو خطاب کیا گیا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ... الخ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ (رضی اللہ عنہم) جمعین، تم بہترین امت ہو، بہترین جماعت ہو، پوری انسانی تاریخ کے اندر بہترین گروہ ہو، جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو ان کی بھلائی اور بہبود کے لیے ان کی آفرت سنوارنے کے لیے، انہیں حق کی طرف بلانے کے لیے، انہیں جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے، انہیں ظلم و ستم کے پنجے سے نجات دلانے کے لیے۔ اور تمہارا تو فرض منصبی ہی نبی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا ہے! لیکن دوسری آیت درحقیقت اُس دور کے لیے ہے جب امت اپنے فرض منصبی کو بھول چکی ہو۔ جیسے مثلاً آج کا دور ہے۔ آج ہم یہ سمجھے بیٹھیں کہ ہم بھی ایک قوم ہیں جیسے دنیا میں اور قومیں ہیں۔ ہم میں سے ہر فرد کو بھی اسی لیے جینا ہے اور ڈوڑ بھاگ کرنی ہے جیسے کوئی ہندو، کوئی سکھ اور کوئی پارسی اپنی معاش کے لیے اپنی اولاد کی پرورش کے لیے، اپنا گھر بنانے، اس کو سجانے اور ساز و سامان جمع کرنے کے لیے بھاگ ڈوڑ کرتا ہے۔ فرق بس یہ ہے کہ ہم نماز پڑھ لیتے ہیں، وہ جانا چاہے تو کسی مندر میں چلا جاتا ہے۔ اور ہم میں بھی نماز پڑھنے والے کتنے رہ گئے ہیں، پھر یہ کہ اجتماعی سطح پر جو ان کے اہداف اور مقاصد ہیں وہی ہمارے مقاصد ہیں۔ ان کا بھی زور چلتا ہے تو وہ دوسروں پر ظلم کرتے ہیں، دوسروں کی زمینیں چھین لیتے ہیں، دوسروں کے حقوق غصب کر لیتے ہیں، ہمارا بھی داؤ لگتا ہے تو ہم بھی یہی طرز عمل اختیار کرتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا دور زوال کہ امت بھول گئی کہ ہماری غرض تاسیس کیا تھی، ہمارے مقاصد کیا تھے، ہمارا نصب العین کیا تھا!

اس دور زوال کے لیے قرآن حکیم یہ رہنمائی دیتا ہے کہ اس امت میں سے کچھ لوگ جو بیدار ہو جائیں، جو ہوش میں آجائیں، جنہیں اپنا مقصد وجود یاد آجائے وہ دوسروں کو جگائیں، انہیں بیدار کر کے لیے ہمدرد، کا جو رسالہ، 'نو نہال' نکلتا ہے اس میں آپ نے ایک عنوان دیکھا ہو گا 'جاگو اور جگاؤ' مجھے یہ SLOGAN بہت پسند ہے۔ یہ بڑی اچھی اور عام فہم اصطلاح ہے۔ خود جاگو اور جو جاگ جائیں وہ دوسروں کو جگائیں، خواب غفلت سے بیدار کریں، جنہیں یہ ہوش آگیا ہے کہ

میں مسلمان ہوں۔ یہ میری ذمہ داری ہے، میں تو بحیثیت مجموعی اس امت کا فرد ہوں جو دنیا والوں کی بھلائی کے لیے برپا کی گئی ہے، میرے ذمے تو بڑا عظیم فریضہ ہے، ایسا فریضہ جو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے سپرد کرتا رہا ہے۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ، یہ اب دوسروں کو جگائیں۔ اس طرح جو جاگتے جائیں وہ ایک امت بن جائیں، امت میں ایک چھوٹی امت — جیسے آپ کہتے ہیں 'PARTY WITHIN PARTY' اور 'STATE

'WITHIN STATE' ایک تو بڑی امت ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آتی اس وقت دنیا میں ایک ارب سے زیادہ کی تعداد میں ہیں، لیکن سوئے ہوئے ہیں۔ کس اعتبار سے سوئے ہیں؟ دنیا کے اعتبار سے سوئے ہوئے نہیں ہیں، شخص اپنی بہتری کے لیے کوشاں ہے، زور لگا رہا ہے، دن رات محنت کر رہا ہے۔ البتہ دین کے اعتبار سے سو گئے ہیں۔ بحیثیت امت محمد جو ذمہ داری تھی، اس کے اعتبار سے سو گئے ہیں۔ تو جو جاگ جائیں وہ ان سونے والوں کو جگائیں۔ اور آپس میں مل جل کر اس بڑی امت میں ایک چھوٹی امت بنائیں۔ وَلْيَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ تم میں سے ایک امت تو ایسی لازماً ہونی چاہیے جو خیر کی طرف بلائے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔ اور اس آیت کا آخری ٹکڑا خاص طور پر نوٹ کیجئے؛ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ اور یہ جان لو کہ صرف وہی ہوں گے فلاح پانے والے۔ یہ سوئے ہوئے فلاح نہیں پائیں گے۔ جو جاگ جائیں گے اور دوسروں کو جگائیں گے اور جو اپنے اس دعوت الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرض منصبی کو ادا کریں گے، صرف وہ ہوں گے فلاح پانے والے۔ آپ صدق دل سے دعا کیجئے؛ اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ اے اللہ ہمیں بھی ایسے لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما!

اُمْرًا بِالْمَعْرُوفِ اَوْ نَهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ

لازم و ملزوم ہیں

قرآن حکیم اُمْرًا بِالْمَعْرُوفِ اَوْ نَهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ کو ایک وحدت کے طور پر بیان کرتا ہے۔ یہ

(ORGANIC WHOLE)

دونوں لازم و ملزوم ہیں اور ان کی حیثیت ایک حیاتیاتی اکائی

کی سی ہے۔ لیکن قسمتی سے ہمارے اس دور میں بہت سے انتہائی نیک اور نیک نیت لوگ جو دین کے لیے حرکت اور جدوجہد بھی کر رہے ہیں، جو اپنے گھروں سے دین کی محنت کیلئے نکلتے ہیں، ایک مغالطہ میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ وہ مغالطہ یہ ہے کہ صرف نیکی کی تلقین کفایت کرتی ہے، نہی عن المنکر کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ کسی پر تنقید کا کوئی فائدہ نہیں، بھلائی کو پھیلانے، بھلائی کی تلقین کرنا، جب بھلائی پھیلے گی تو بدی خود بخود رفع ہو جائے گی بعض اعتبارات سے یہ بات بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے کہ تم روشنی پھیلاؤ، تاریکی خود بخود کافور ہوتی چلی جائے گی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے اور دینی اعتبار سے بہت بڑی غلط فہمی ہے جس میں یہ حضرات گرفتار ہیں۔ ان کا مجاہدہ کر دار اور دین کے لیے ان کی محنتیں مسلم ہیں۔ ان حضرات کے دم قدم سے دین کے نام پر پوری دنیا میں ایک بہت بڑی حرکت موجود ہے۔ ان کے بیس بیس اور کچیس کچیس لاکھ کے اجتماعات ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بڑی نیک نیتی سے اپنا وقت اولیٰ خرچ کرتے ہیں، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ انہوں نے نہی عن المنکر، کا معاملہ معطل کر کے رکھ دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آج آپ قرآن حکیم کے نو مقامات کے حوالے سے اس بات کو سمجھ لیں اور اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اُمْرًا بِالْمَعْرُوفِ اَوْ نَهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں، یہ ایک گاڑی کے دو پتے یا ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ آپ دو پہیوں والی گاڑی کو ایک پتے پر چلائیں گے تو وہ آگے نہیں بڑھے گی، وہ اپنے AXIS پر گھوم جائے گی اور پچھڑ لگائے گی۔ گاڑی دو پہیوں پر ہی آگے بڑھتی ہے۔ ان دونوں کو جدا کرنا حکمت قرآنی و نشانے الہی کے خلاف ہے۔ میں انتہائی ادب کے ساتھ عرض کر رہا ہوں کہ واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی یہ

کہے کہ قرآن مجید تو یہ دو چیزیں بیان کر رہا ہے، لیکن اصل میں تو ایک ہی چیز ضروری ہے تو معلوم یہ ہوا کہ اس نے قرآن مجید پر طعن کیا ہے، گویا کہ اللہ کے کلام میں نقص نکالا ہے کہ شاید یہ صرف شاعری ہو رہی ہے، محض تلافی ہو رہی ہے۔ فعوذ باللہ من ذلک۔ قرآن اگر ان دونوں چیزوں کو ایک کیجا اصطلاح کے طور پر لارہا ہے تو وہ بلا مقصد نہیں لارہا۔

اب ہم ان نو مقامات کا ایک ایک کر کے مطالعہ کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر مقام کے لیے میں نے ایک عنوان قائم کیا ہے:

۱۔ شانِ باری تعالیٰ _____ النحل: ۹۰

یہ آیت مبارکہ آپ میں سے ہر شخص کو یاد ہوگی، کیونکہ ہر خطبہ جمعہ کے اختتام پر آپ یہ آیت سنتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ
وَيَنْهَىٰ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

”یقیناً اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل کا، احسان کا، اور قربت داروں کا حق ادا کرنے کا
_____ اور روکتا ہے بے حیائی سے، برائی سے اور کسرشی سے۔ تم کو سمجھاتا ہے،

تا کہ تم یاد رکھو۔“

یہ آیت مبارکہ اللہ تعالیٰ کی یہ شان بیان کر رہی ہے کہ وہ خود نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے۔ یہ آیت شریعت کے لیے ایک SYMBOL کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ شریعت نام ہی اوامر و نواہی کا ہے۔ اس آیت میں کس قدر خوبصورت توازن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کا حکم دیا اور تین باتوں سے روکا۔ حسن توازن کے ساتھ ساتھ اس میں حسن ترتیب بھی ہے۔ اس وقت ان آیات کا درس یا تفسیر مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ حقیقت آپ کے پیش نظر رہے کہ امر اور نہی دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ اللہ اگر نیکیوں کا حکم دیتا ہے تو بدلیوں سے روکتا بھی ہے۔ ورنہ اگر وہ فلسفہ درست ہوتا کہ محض نیکی کی تلقین سے بدی خود بخود مٹا میٹ ہو جاتے گی تو بدی کی نشاندہی کر کے اس سے روکنے کی اضافی طور پر ضرورت نہیں تھی۔

۲۔ تقاضائے فطرت و حکمت — لقمن: ۱۷

حضرت لقمان کے بارے میں آپ حضرات کے علم میں ہوگا کہ وہ زنبی تھے، نہ کسی نبی کے امتی تھے وہ ایک سلیم الفطرت اور سلیم العقل حکیم ودانا انسان تھے۔ انہوں نے اپنے غور و فکر سے جو نتائج اخذ کیے ان کی جھلک ان کی نصیحتوں میں ملتی ہے۔ قرآن حکیم میں سورۃ لقمان کا دوسرا رکوع ان کی ان وصیتوں پر مشتمل ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ ان وصیتوں کا آغاز اس آیت مبارکہ سے ہوتا ہے: **وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ**۔ اس طرح قرآن حکیم نے حضرت لقمان کو امر بنا دیا ہے، اس لیے کہ جب تک قرآن موجود ہے اُن کا ذکر موجود ہے۔ اور قرآن تو ہمیشہ رہے گا، لہذا ان کا ذکر بھی ہمیشہ موجود ہے گا۔ تو اللہ نے اس انداز سے اپنے اُس بندے کی شان بڑھائی ہے۔ قرآن مجید میں اس طریقے سے تعین کے ساتھ یا تو رسولوں کا نام آتا ہے یا صحابہ کرام میں سے حضرت زید کا نام آیا ہے۔ صحابہ حضرت زید کا ذکر خاص طور پر اس اعتبار سے کیا کرتے تھے کہ یہ کس قدر خوش قسمت ہیں کہ ان کا نام قرآن میں آیا ہے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت **فَلَمَّا فَصَّي زَيْدٌ قَتْنَهَا وَطَرًا... الخ** کے حوالے سے لوگ رشک سے کہا کرتے تھے کہ زید، تمہارا نام قرآن میں آیا ہے۔ ایسے ہی حضرت لقمان کا نام قرآن میں آکر دوام حاصل کر گیا۔ یہ حکیم ودانا انسان اپنی فطرت سلیمہ اور عقل صحیح کی روشنی میں بڑی بڑی حقیقتوں تک رسائی حاصل کر گئے۔ اسی لیے میں نے یہاں عنوان قائم کیا ہے "تقاضائے فطرت و حکمت" قرآن حکیم میں ان کی وصیت نقل فرمائی گئی:

**يُنَبِّئُ أَقْبِعِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَصْبِرْ
عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝**

"اے میرے بیٹے، نماز قائم رکھ، نیکی کا حکم دے، بدی سے روک، اور بھر صبر کر اس پر جو

تجربہ پڑے! بے شک یہ بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

دیکھیے کتنی پیاری بات ہے۔ نیکی کی تلقین پر کبھی آپ کو کسی رد عمل کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ لوگ سن لیں گے، مانیں یا نہ مانیں۔ آپ کسی سے کہیں کہ بھئی، بھلا کام کیا کرو، نماز پڑھا کرو، روزہ رکھا کرو تو اس پر کوئی پلٹ کر آپ کو گالی نہیں دے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ جیسے چکنے گھڑے

پر پانی پڑتا ہے تو جھیل جاتا ہے، اس طرح لوگ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں۔ لیکن اصل میں لوگوں کی طرف سے جوانی کا رروائی اُس وقت ہوتی ہے جب آپ انہیں بدی سے روکیں۔ اُس وقت پھر RETALIATION اور RESENTMENT ہوتی ہے۔

آپ چھوٹے سے بچے سے یہ کہہ کر دیکھیے کہ بیٹے یہ کھیلنے کی جگہ نہیں ہے، یہ کرکٹ کا میدان نہیں ہے، یہ سڑک ہے، تمہاری گیند کسی کا سر چھوڑ دے گی، کسی کی گاڑی کا شیشہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن یہ کہہ کر پھر وہاں سے آپ کا اپنی عفت کو سالم لے کر واپس چلا آنا آسان نہیں ہو گا۔ اس طرح کی چھوٹی سے چھوٹی بات کسی سے کہہ کر دیکھیے، وہ اسے برداشت نہیں کرے گا۔ اسی لیے حضرت لقمان نے فرمایا: **وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ** — یعنی بدی سے روکنے پر جو تجھ پر بیٹے پھرتے جھیل، اس پر صبر کر! یہی تو ربط ہے سورۃ العصر کے مضامین میں کہ **وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ** کے ساتھ **وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ** کا حکم بھی دیا گیا۔ حق کی وصیت کر کے ظاہر بات ہے کہ پھر آپ کو صبر کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔

۳۔ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم — الاعراف: ۱۵۷

اس آئے مبارکہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تیس راتوں کے لیے کوہِ طور پر بلا لیا، اور پھر اس مدت کو بڑھا کر چالیس راتیں کیا گیا، تو ان کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ اس پر حکم دیا گیا کہ ہر قبیلے میں سے جو لوگ توحید پر قائم رہے وہ اپنے اُن رشتہ داروں کو فوج کریں جنہوں نے شرک کا ارتکاب کیا۔ جنہوں نے اسلام لانے کے بعد اونچی کے ساتھی ہونے کے بعد گائے کی پرستش کی ان کے لیے توبہ کی یہ صورت مقرر کی گئی۔ چنانچہ تاریخِ انسانی کی اس سب سے بڑی توبہ میں، جسے آج کی اصطلاح میں 'PURGE' کہا جاسکتا ہے، ستر ہزار یہودی قتل کیے گئے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام ستر سرکردہ لوگوں کو لے کر کوہِ طور پر حاضر ہوئے اور دعا کی کہ پروردگار! ہم سے خطا ہو گئی ہے، تو معاف فرما دے، اور ہمارے لیے رحمت کا فیصلہ فرما دے! اس کا جواب دیا گیا: **وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ** الخ۔ یعنی ایک تومیری رحمت عام ہے جو ہر شے کو محیط ہے، لیکن ایک میری خاص رحمت ہے جو میں نے لکھ دی ہے اپنے اُن پرہیزگار بندوں کے لیے جو میرے رسولِ نبی امی صلی اللہ

علیہ وسلم، پر ایمان لائیں گے۔ (اللہ کرے کہ میں اور آپ اُن لوگوں میں شامل ہو جائیں)۔ اس آیت مبارکہ میں ان نیک بندوں کا ذکر اور رسول نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان ہوئی ہے:

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا
عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَا مَرْهُمْ بِالْمَعْرُوفِ
وَيَنْهَهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ.
”وہ لوگ کہ جو پیروی کریں گے میرے رسول نبی امی کی جس کو وہ موجود پائیں گے اپنے پاس
لکھا ہوا تورات اور انجیل میں۔ (وہ نبی) انہیں نیکوں کا حکم دیں گے، بدی سے روکیں
گے، ان کے لیے طیب چیزوں کو حلال ٹھہرائیں گے اور ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہرائیں گے
رسول نبی امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان مبارک کے بیان میں پہلی چیز وہی گاڑی کے
دو پتے ہیں: يَا مَرْهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔

۴۔ شان صحابہ رضی اللہ عنہم ————— التوبہ: ۱۱

آپ نے نوٹ کیا ہوگا کہ میں درجہ بدرجہ ایک ایک میٹرھی اتر رہا ہوں — سب سے
اوپر شان باری تعالیٰ، دوسرے نمبر فطرت سلیمہ جس کے لیے قرآن حکیم میں الفاظ آتے ہیں:
فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ تیسرے نمبر پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اب چوتھے
نمبر پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔ سورۃ التوبہ میں صحابہ کی شان یہ بیان فرمائی گئی:
وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ الخ
”اور مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار اور حمایتی ہیں نیکی
کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں...“

اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

۵۔ کیفیت منافقین ————— التوبہ: ۴۷

شان صحابہ کا 'CONVERSE' منافقین کی کیفیت میں دیکھا جاسکتا ہے سورۃ التوبہ

ہی کی آیت ۶۷ میں کیفیت منافقین ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے:

الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِمَّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ
بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ الخ

”منافق مرد اور منافق عورتیں ایک دوسرے میں سے ہیں۔ (یہ ایک دوسرے کے
ساتھی، مددگار اور پشت پناہ ہیں)۔ نیکی سے روکتے ہیں اور بدی کا حکم دیتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ آپ اس عمل کو معکوس بھی کر دیں تو بھی یہ ایک وحدت ہی رہے گا۔ آپ
انہیں تقسیم نہیں کر سکتے۔ یا تو کردار وہ ہو گا کہ نیکی کا حکم دینا اور بدی سے روکنا — اور یا پھر کدوا
یہ ہو جائے گا کہ بدی کا حکم دینا اور نیکی سے روکنا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام
سے فرمایا: كَيْفَ بِكُمْ إِذَا لَمْ تَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَلَمْ تَنْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ؟
”تم لوگوں کا کیا حال ہو گا جب تم نیکی کا حکم دینا چھوڑ دو گے اور بدی سے روکنا چھوڑ دو گے؟“
صحابہ حیران ہوئے۔ ان کے لیے تو یہ ناقابل قیاس اور ناقابل گمان بات تھی۔ انہوں نے کہا:
'يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَإِنْ ذَلِكَ لَكَائِنٌ؟' اے اللہ کے رسول، کیا ایسا بھی ہونے والا
ہے؟ آپ نے فرمایا: نَعَمْ، وَأَشَدُّ، كَيْفَ بِكُمْ إِذَا أَمَرْتُمْ بِالْمُنْكَرِ
وَنَهَيْتُمْ عَنِ الْمَعْرُوفِ؟ ”ہاں“ (تم اسی پر حیران ہو رہے ہو میرے صحابہ!) اس
سے بھی شدید کیفیت پیدا ہو جائے گی اور اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب تم بدی کا حکم دو
گے اور نیکی سے روکو گے؟ یہ وہ کیفیت ہے جو قرآن حکیم میں منافقین کی بیان فرمائی گئی۔ گویا کہ حضورؐ نے
فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب میری امت میں نفاق عام ہو جائے گا۔ آج آپ کا معاشرہ
یہی تصویر پیش کرتا ہے۔ نیکی کے راستے پر چلنا بہت مشکل ہے، جبکہ بدی کے راستے کشادہ ہیں
اور ان پر کوئی مزاحمت نہیں۔ کوئی نوجوان ذرا دائرہ چلی رکھے تو تمام رشتہ دار، اعزہ و اقارب حتیٰ کہ
والدین سب اسے طعن و تشنیع کا ہدف بنائیں گے کہ تم نے یہ کیا کیا؟ ذرا گھر میں شرعی پردہ نافذ
کر کے دیکھیے، آپ اپنے معاشرے سے نکال دیتے جاتیں گے، آپ کا تعلق آپ کے
عزیزوں سے کٹ جائے گا۔ اب ذرا اسی حدیث کا آخری ٹکڑا ملاحظہ کیجئے۔ جب صحابہ کرامؓ نے
حضورؐ کی اس پیشگوئی پر مزید تعجب کا اظہار کیا کہ یا رسول اللہ، کیا ایسا بھی ہونے والا ہے؟ تو

آپ نے فرمایا: نَعَمْ، وَأَشَدُّ، كَيْفَ بِكُمْ إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَعْرُوفَ مُنْكَرًا وَالْمُنْكَرَ مَعْرُوفًا
ہاں، بلکہ معاملہ اس سے بھی شدید تر ہوگا، اور اُس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیکی کو بدی جاننے
لگو گے اور بدی کو نیکی سمجھنے لگ جاؤ گے! یعنی میری امت پر ایسا دُور بھی آنے والا ہے جب
خیر و شر کی تمیز تک ختم ہو جائے گی۔ نیکی کو بدی سمجھا جائے گا اور بدی لوگوں کو نیکی دکھائی دے
گی۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَهُمُ !!

۶۔ اُمّت کا فرض منصبی ————— آل عمران: ۱۰

اس آیت مبارکہ کا مطالعہ ہم پہلے ہی "امتِ مسلمہ کی غرض تائیس" کے ضمن میں قدرے
وضاحت کے ساتھ کر چکے ہیں:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

"تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی
سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"

۷۔ دُورِوَال میں اُمّتِ مسلمہ کے لیے نہ نکاتی لائحہ عمل کا لفظ عروج — آل عمران: ۱۰۴

سورۃ آل عمران کی آیات ۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں "امتِ مسلمہ کے لیے لائحہ عمل" کے
موضوع پر میں نے آپ کے اسی شہر کراچی میں ایک مسجد میں آج سے چار سال قبل ایک منقول
خطاب کیا تھا۔ اس میں میں نے واضح کیا تھا کہ گڑھے ہوئے موجودہ حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے
صورتِ حال کس طریقے سے تبدیل ہو، اس کے لیے قرآن ہیں کیا لائحہ عمل دیتا ہے۔ قرآن
مجید تو ہمیشہ کے لیے ہدایت و رہنمائی ہے۔ اس نے اُس دور کے لیے بھی ہدایت فراہم کی جس
میں یہ نازل ہوا اور بعد والے ادوار کے لیے بھی ہدایت و رہنمائی دی ہے۔ چنانچہ اس دُورِوَال
میں اگر ہمیں اُپر اُٹھنے کے لیے لائحہ عمل درکار ہے تو بھی ہمیں قرآن ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔
قرآن مجید نے مذکورہ تین آیات میں ایک تہ نہ نکاتی لائحہ عمل دیا ہے، جس میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ
ہر شخص تقوٰی اختیار کرے، دوسرا نکتہ یہ ہے کہ کل عمل کر اللہ کی رسی یعنی قرآن مجید کو مضبوطی سے

تعام لو اور بنیانِ مرسوم بن جاؤ، اور اس کا تیسرا نکتہ اور ذرۃِ سنام یہ ہے کہ تم میں ایک جماعت تو ایسی قائم ہونی چاہیے جو دعوتِ الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

”تم میں سے ایک جماعت تو لازماً ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور بدی سے روکے۔ اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

قرآن نے جس جماعت کی ضرورت پر زور دیا ہے اس کے کرنے کے بس تین کام ہی بتاتے ہیں۔ (۱) خیر کی طرف دعوت (۲) نیکی کا حکم اور (۳) بدی سے روکنا۔ میں یہاں پر عرض کروں کہ واقعہ یہ ہے کہ آج ہماری دینی جماعتیں بھی اپنے اصل ہدف سے ہٹ چکی ہیں۔ اپنے آپ کو پاور پوائنٹس میں ملوث کر لینا، کبھی کسی کا پانسنگ اور کبھی کسی کا ضمیر بن جانا اور سیاسی اعتبارات سے ادھر سے ادھر اڑھکتے پھرننا، یہ سب درحقیقت اپنے اصل ہدف سے ہٹ جانے کی بنا پر ہے۔

ع آہ وہ تیرنیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف!

مذکورہ بالا تین آیات کی روشنی میں میں نے جو تقریر ۱۹۸۵ء میں یہاں کی تھی اسے بھائی جمیل الرحمن صاحب نے ٹیپ سے آٹا لیا تھا اور اب وہ مسلمانوں کے لیے سُنَّہ نکاتی لائحہ عمل کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں شائع ہو گئی ہے۔ (اللہ تعالیٰ بھائی جمیل الرحمن صاحب کو جزائے خیر دے کہ میری بہت سی تقریریں انہی کے ذریعہ سے کتابی شکل میں آتی ہیں) یہ ایسا کتابچہ ہے جسے بڑے پیمانے پر عام کرنے کی ضرورت ہے۔ قرآن نے ہمیں جو لائحہ عمل دیا ہے اسے اپنانے بغیر اس قدر لذت سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔ غزوہ جنین کے موقع پر جب آنحضرتؐ اپنے جان نثار صحابہؓ کے ساتھ ایک تنگ پہاڑی درے سے گزر رہے تھے تو وہاں پہلے سے موجود کفاد کی جانب سے تیروں کی اچانک بوچھاڑ سے ایک بھگدڑ مچ گئی تھی۔ اُس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آواز بلند کی: اَللّٰی یَا عِبَادَ اللّٰہِ، اَللّٰی یَا عِبَادَ اللّٰہِ! اے

اللہ کے بندو، کدھر جا رہے ہو بہ میری طرف آؤ! آج قرآن سہی پکار لگا رہا ہے: اِلٰی عِبَادِ اللّٰهِ
 آؤ، میری طرف آؤ! سونے ماوراکہ تیمارت کنند!! قرآن پکار رہا ہے کہ آؤ، میرے پاس پڑ کر
 اور لائحہ عمل ہے، میرے پاس ہدایت ہے۔ لیکن تم نے مجھے اپنا امام بنایا ہی نہیں یہی وجہ
 ہے کہ میں نے اس کتابچے کا انتساب اُن باہمت افراد کے نام کیا ہے جو قرآن حکیم کو واقعہً اپنا
 امام اور رہنما بنانے کا فیصلہ کر لیں!

۸۔ صحاب اقتدار کا فرض عین — الحج: ۴۱

اس سلسلے کا آٹھواں مقام سورۃ الحج کی آیت نمبر ۴۱ پر مشتمل ہے، جہاں ایک اسلامی
 حکومت کے ارباب اختیار و اقتدار کے بنیادی اور اہم ترین فرض گنوائے گئے ہیں:
 الَّذِينَ اِنْ مَكَتْهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَتَوْا الزَّكٰوةَ
 وَاَمْرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاَلِهٖ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ
 ”وہ لوگ کہ جنہیں اگر ہم زمین میں اختیار و اقتدار عطا فرمادیں تو وہ نماز قائم کریں گے،
 زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے، نیکیوں کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔۔۔۔۔“

یہ آیات اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ یہ اُس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ
 علیہ وسلم ہجرت فرماتے ہوئے مکہ سے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، جہاں ایک اسلامی حکومت
 کا قیام عمل میں آنا تھا۔ تو یہ گویا کہ ”حزب اللہ“ کا منشور (MANIFESTO) ہے کہ وہ لوگ جو حقیقتہً ایمان
 اور اسلام پر عمل پیرا اور کاربند ہوں، انہیں اگر اللہ اقتدار عطا فرمائے تو وہ کیا کریں گے! یہاں بھی نظام
 صلوة اور نظام زکوٰۃ کے قائم کرنے کے ساتھ ساتھ ’امر بالمعروف اور نہی عن المنکر‘ کا ذکر ایک
 وحدت کے طور پر کیا گیا ہے۔

۹۔ سرفروش اور جانباز اہل ایمان کے اوصاف کا ذرۃ ناسم — التوبہ: ۱۱۱، ۱۱۲

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ
 لَهُمُ الْجَنَّةُ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ
 وَعَدَا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْآنِ ط

وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي
بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ الشَّابُّونَ الْعِدُونَ

الْحَمِيدُونَ السَّاجِدُونَ لِلرَّكْعُونَ الشَّجِدُونَ الْأَمْرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَفِظُونَ
لِحُدُودِ اللَّهِ ۖ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

اللہ نے اہل ایمان سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس قیمت پر خرید لیے ہیں کہ ان کے لیے جنت ہے۔ (لہذا) وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ پھر قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔ (جنت کا یہ) وعدہ حق ہے، اس کے ذمے ہے۔ (اللہ نے اس وعدے کی توثیق کی ہے) تورات میں اور انجیل میں اور قرآن میں۔ اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدہ کا پورا کرنے والا کون ہے؟ پس خوشیاں منانا اپنی اس تجارت پر جو تم نے اس سے کی ہے۔ اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ (ان کے اوصاف یہ ہیں کہ) وہ توبہ کرنے والے ہیں، (اللہ کی) بندگی کرنے والے، حمد کرنے والے، (لذاتِ دنیوی سے) کنارہ کشی کرنے والے، (اللہ کی بارگاہ میں) رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم دینے والے اور بُرائی سے روکنے والے، اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے۔ اور (اسے) نبیؐ خوشخبری سنادیں اہل ایمان کو:

ان آیات کا آغاز ہوتا ہے کہ اللہ نے تو اہل ایمان سے اُن کی جانیں اور ان کے مال جنت کے عوض خرید لیے ہیں یعنی جو بھی باشعور صاحب ایمان ہے وہ گویا اللہ کے ساتھ ایک بیع و شراہ کر چکا، اپنی جان اور مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر چکا۔ لہذا اسی کا مظہر یہ تھا کہ صحابہ کرام ہر فروش اور جاں فشانی کے پیچھے تھے۔ جب بھی انہیں پکارا گیا جان ہمتیلی پر رکھ کر میدان میں آگئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کریں اور تمنا یہ رکھیں کہ اس راہ میں جان تک قربان کر دیں گے، جیسے حضورؐ نے فرمایا: لَوْ دِدْتُ اَنْیْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ، ثُمَّ اُحْیَا، ثُمَّ اُقْتَلَ، ثُمَّ اُحْیَا،

ثُمَّ أُقْتِلُ، ثُمَّ أُحْيَا، ثُمَّ أُقْتَلُ یعنی میری بڑی خواہش اور آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے، پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤں پھر مجھے زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر زندہ کیا جائے اور پھر قتل کیا جائے۔ تو اللہ کرے کہ یہ خواہش ہمارے دلوں میں بھی آجائے۔ لیکن اس خواہش کے ساتھ ساتھ کچھ اوصاف اپنے اندر پیدا کرنا ہوں گے۔ وہ اوصاف کیا ہیں:

التائبون۔ العابدون۔ الحامدون۔ السائحون۔ الراکعون۔ الساجدون۔
 الامرؤن بالمعروف۔ والنہون عن المنکر۔ والحافظون لحدود اللہ۔ یعنی
 (۱) توبہ کرنے والے، رجوع کرنے والے۔ خطایا غلطی ہو جائے تو فوراً توبہ کریں۔ (۲) اللہ کے عبادت گزار۔ اس کے اطاعت شعار، اس کی بندگی کو اپنی زندگی کا اصول بنا لینے والے۔
 (۳) اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف رہنے والے۔ (۴) لذات و نیوی سے کنارہ کشی کر لینے والے۔
 (۵) اللہ کی جناب میں رکوع کرنے والے۔ (۶) اللہ کی بارگاہ میں سجدے کرنے والے۔ (۷) نیکی کا حکم دینے والے (۸) اور بدی سے روکنے والے۔ (۹) اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔ اور آخر میں فرمایا گیا کہ اے نبی، ایسے اہل ایمان کو بشارت دے دیجیے جنہوں نے اپنی جانیں اور مال اللہ کے ہاتھ فروخت کر دیئے اور اس کے بعد ان کی زندگی کے شب و روز کا نقشہ اُوپر بیان کر دہ آیت کے مطابق ہے۔ انہیں ان کی کامیابی کی خوشخبری سنا دیجئے!!

یہ مقام اس اعتبار سے ذرۃ نام ہے کہ یہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے بھی اگلا قدم بیان کر دیا گیا: الْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ۔ حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے۔ اور موجودہ دور میں اسلامی انقلاب کے لیے 'اقدام' کا مرحلہ یہی ہوگا۔ سنت نبوی، سیرت نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سے ہمیں انقلاب کے چھ مراحل ملتے ہیں — (۱) دعوت (۲) تنظیم (۳) تربیت (۴) صبر محض (PASSIVE RESISTANCE) (۵) اقدام (ACTIVE RESISTANCE)

اور (۶) مسلح تصادم۔ موجودہ حالات میں "مسلح تصادم" کے بجائے "اقدام کا طریقہ یہ ہوگا کہ انقلاب کے کارکن میدان میں نکل کھڑے ہوں کہ ہم اللہ کی حدود کو توڑنے نہیں دیں گے۔ یہ نہی عن المنکر

بالید کا ایک انداز ہے۔ وہ طاقت کے ساتھ چیلنج کریں اور منکرات کے مقابلے میں دیوار بن کر کھڑے ہو جائیں کہ اب ہم جیتے جی یہ نہیں ہونے دیں گے! اب یہ ہماری لاشوں پر ہی ہوگا۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی فوج جس پر آپ کے بچٹ کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے، اس کا مقصد کیا ہے۔ یہ کہ وطن عزیز کی سرحدوں کے محافظ بن کر کھڑے ہو جائیں۔ جان دے دیں لیکن اس سرزمین کا ایک ابرخ بھی دشمن کے حوالے کرنے کے لیے تیار نہ ہوں۔ ابھی تقریباً بیس کروڑ روپیہ ”ضرب مومن“ پر اسی لیے تو خرچ ہوا ہے کہ ہماری افواج چاق و چوبند رہیں اور ہر طرح کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد ہوں، کہیں وقت آنے پر سست پڑے ہوتے نہ ہوں۔ یہ سب کس لیے ہے؟ حدود و ارضی کی حفاظت کے لیے، وطن کی جغرافیائی حدود کی حفاظت کے لیے! لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ اس ملک کی نظریاتی حدود بھی ہیں۔ وہ نظریاتی حدود حدود اللہ ہیں، جن کی ہمیں حفاظت کرنی ہے۔ قرآن حکیم میں آیا ہے: تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا — دیکھو، یہ اللہ کی حدود ہیں، ان کے قریب بھی نہ ٹھیکو، انہیں یوں فرمایا گیا: ... فَلَا تَقْعُدُوا هَهَا — یہ اللہ کی حدود ہیں، انہیں پامال نہ کرو، ان سے تجاوز نہ کرو! اب اللہ کا وہ سرفروش بندہ جو جان اور مال اللہ کے ہاتھ بیچ چکا ہو اس کے اوصاف کی چوٹی درحقیقت یہ ہے کہ وہ اللہ کی حدود کا محافظ بن کر کھڑا ہو جائے کہ میرے جیتے جی اللہ کی یہ حد پامال نہیں کی جائے گی۔ میں زندہ رہوں اور اللہ کی حدود پامال کر دی جائیں، یہ نہیں ہوگا! اس موقع پر مجھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما یاد آگئے ہیں۔ انہوں نے یہی فرمایا تھا: اَيُّبَدَلُ الدِّينِ وَاَنَا حَيٌّ؟ کیا دین کے اندر تغیر کر دیا جائے گا، جبکہ میں اچھے زندہ ہوں؟ آپ کے دورِ خلافت میں جب کچھ لوگوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور کچھ حضرات نے مشورہ دیا تھا کہ آپ یہ اتنے سارے محاذ ایک دم نہ کھول لیجئے۔ ایک طرف مدعیانِ نبوت ہیں۔ وہ تو کھلم کھلا مرتد ہیں۔ ٹھیک ہے ان کے خلاف تو اقدام کیجئے لیکن یہ مانعین زکوٰۃ تو کلمہ گو ہیں، انہوں نے کسی نئے نبی کو بھی تسلیم نہیں کیا ہے، آپ ان کے خلاف محاذ نہ کھولیں، اس لیے کہ اس وقت حالات بڑے مخدوش ہیں — تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ فرمائے: اَيُّبَدَلُ الدِّينِ وَاَنَا حَيٌّ؟ کیا دین کے اندر تبدیلی کر دی

جائے گی، اس حال میں کہ میں زندہ ہوں؟ آپؐ افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق
یونہی تو نہیں بن گئے تھے۔ یہ رتبہ بلند یونہی تو نہیں مل گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے
آپؐ کو مشورہ دیا تھا کہ اس وقت حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ ایک طرف حبشہ اسامہ کو
بھی نہیں روک رہے۔ سلطنتِ روم کے ساتھ لحداً و اس دلیل پر جاری رکھ رہے ہیں کہ حضورؐ
نے جو جھنڈا باندھ دیا تھا میں اسے کیسے کھول دوں، حضورؐ نے جو شکر تیار کر دیا تھا اب اسے
کیسے روک دیا جائے! اگر یہ تمام محاذ بیک وقت کھول دیتے گئے تو یہاں مدینہ منورہ میں محافظ
کون ہوں گے؟ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تھا کہ اگر کوئی محافظ نہ ہو اور درندے
آکر ابو بکر کو نوچیں تب بھی یہ کام ہو کر رہے گا۔ اس لیے کہ میں اللہ کے رسولؐ کا قلیضہ ہوں۔ میرا
مقصد زندگی ان کے مشن کی تکمیل ہے۔ یہ ہے حفاظتِ حدود اللہ! تو یہ جو یہاں نواد صاف بیان
ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان میں سے ایک ایک وصف اپنے اندر جذب کرنے کی توفیق عطا فرما!
میری اس گفتگو میں اگرچہ کسی دوسرے مضامین بھی ضمنی طور پر آگئے، لیکن اس سے میرا
مقصد اس حقیقت کو واضح کرنا تھا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ناقابلِ تقسیم
(INSEPERABLE) ہیں۔ قرآن مجید اگر نعمات پر انہیں متوازن (BALANCED) طریقے سے اجزائے لاینفک
کی حیثیت سے بیان کر رہا ہے تو ہم میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان میں سے کسی ایک کو غیر
ضروری یا اضافی قرار دے۔ اس سلسلے میں غلط فہمی رفع ہونی چاہیے۔ یہ مغالطہ جنہیں بھی ہے اللہ
تعالیٰ انہیں اپنے اس مغالطے پر متنبہ اور مطلع ہونے کی توفیق عطا فرماتے۔

پس نوشت

امر بالمعروف، اور نہی عن المنکر، کے باہمی لزوم کے ضمن میں قرآن حکیم کے متذکرہ بالا
نوعیات کے علاوہ "تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ" کے مصداق و سوال مقام سورۃ
آل عمران کی آیات ۱۱۳، ۱۱۴ میں اہل کتاب کے صالح لوگوں کے اوصاف کے سلسلے
میں وارد ہوا ہے: "لَيْسُوا سَوَاءً ط مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتَّبِعُونَ
آيَةَ اللَّهِ أَنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ه يَوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ه"

نہی عن المنکر کی خصوصی اہمیت

اور
علماء و صلحاء کے کرنے کا اصل کام

اب تک میں نے دو باتیں عرض کی ہیں — ایک یہ کہ امت مسلمہ کی غرض تائیسرے کے لیے قرآن حکیم کی اصطلاحات دو ہیں: شہادت علی الناس اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دوسری یہ کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لازم و ملزوم ہیں۔ یہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ اب ہم تیسری بحث کی طرف آتے ہیں کہ ان دونوں میں اہم تر نہی عن المنکر ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے متعدد اضافی مقامات ایسے ہیں جہاں صرف نہی عن المنکر کا بیان ہے۔ ہمارے اصول فقہ میں بھی یہ اصول ہے کہ 'نہی' نسبت امر کے زیادہ زور دار اور موثر ہے۔ مثال کے طور پر دو حدیثوں کو لیجئے۔ ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ تم میں سے جب بھی کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تہیۃ المسجد ادا کر لے۔ دوسری حدیث میں یہ ہے کہ عصر کی نماز کے بعد سورج غروب ہونے تک کوئی نماز نہیں پڑھے۔ اب اگر کوئی شخص عصر کے بعد مسجد میں آئے تو وہ کیا کرے؟ ہمارے فقہاء اس مسئلے میں نہی کو امر کی نسبت مقدم سمجھتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے مسجد میں آتا ہے تو وہ تہیۃ المسجد ادا نہیں کرے گا۔

قرآن و حدیث کی رو سے خاص طور پر علماء اور صوفیاء کے کرنے کا اصل کام ہی نہی عن المنکر ہے اور عذاب الہی سے نجات کی واحد راہ بھی یہی ہے۔ اس کے ضمن میں ہم قرآن حکیم کی چند آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین احادیث کا مطالعہ کریں گے۔

۱۔ إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكَعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ

(متفق علیہ: عن ابی قتادہ)

۲۔ لِأَصْلَاةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى يَغِيَبَ الشَّمْسُ (متفق علیہ: عن ابی سعید الخدری)

قرآن حکیم میں اہل کتاب کے جو حالات وارد ہوئے ہیں اُن کی حیثیت و حقیقت ایک آئینے کی سی ہے جو مسلمانوں کو دکھایا جا رہا ہے۔ میری تقاریر اور مضامین میں بنی اسرائیل کے بارے میں بارہا اس حدیث کا حوالہ آیا ہے کہ حضورؐ نے خبر دی تھی کہ میری امت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوتے، بالکل ایسے جیسے ایک جو مادہ دوسرے جو تے کے مشابہ ہوتا ہے۔ میری امت میں بھی وہ ساری خرابیاں پیدا ہوں گی جو اُن میں پیدا ہوتی تھیں۔ یہاں تک کہ اگر اُن میں کوئی بد بخت ایسا اٹھا تھا جس نے اپنی ماں سے علی الاعلان زنا کیا ہو تو میری امت میں سے بھی کوئی نہ کوئی ایسا پیدا ہو گا جو یہ حرکت شنیع کرے گا۔ اسی کے حوالے سے قرآن حکیم نے بنی اسرائیل پر جو تنقید کی ہے اس کو پڑھیے۔

علماء یہود پر قرآن کی تنقید

سورۃ المائدہ کی آیات ۶۲-۶۳ میں مضمون بڑی وضاحت سے آیا ہے :

وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْأَثْمِ وَالْعُدْوَانِ
وَأَكْلِهِمُ السَّحْتِ ۚ لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ
الْأَثْمَ وَأَكْلِهِمُ السَّحْتِ ۚ لَيْسَ مَا كَانُوا
يَصْنَعُونَ ۝

”اور تم دیکھو گے ان میں سے ایک کثیر تعداد کو کہ تیزی کے ساتھ ایک دوسرے سے آگے بھلنے کی کوشش کرتے ہیں گناہ کے کاموں میں اور ظلم و زیادتی میں اور حرام عوری میں۔ بہت بڑے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔ کیوں نہیں منع کرتے انہیں ان کے رویوں

لِيَايَتِينَ عَلَىٰ أُمَّتِي مَا آتَىٰ عَلَيَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ حَدِّ وَالنَّعْلِ بِالنَّعْلِ، حَتَّىٰ
إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ آتَىٰ أُمَّةً عَلَانِيَةً لِّيَكُونَنَّ فِي أُمَّتِي مَنْ
يَصْنَعُ ذَٰلِكَ۔

(رواہ الترمذی، عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما)

اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام غوری سے بہت ہی بُرے عمل ہیں جو وہ کر رہے ہیں۔

یعنی اگرچہ کہنے کو یہ لوگ اللہ کے نام لیوا ہیں، موسیٰ کے امتی ہیں، تورات کے ماننے والے ہیں، سینکڑوں نبیوں پر ایمان کے دعویدار ہیں، ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ لیکن عملاً ان کا حال یہ ہے کہ بجائے نیکیوں میں پیش قدمی کرنے کے، تین بُرے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (۱) الإِثْمُ: گناہ کا کام، فرائض میں کوتاہی کا ارتکاب، سچی تلفی اور لوگوں کے حقوق کو غضب کرنے اور سلب کرنے کا کام۔ (۲) وَالْعُدْوَانُ: اور ظلم و زیادتی، تعدی (۳) وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ: اور ان کی حرام غوری۔ اس حرام غوری کے مختلف انداز تھے۔ سود بھی تھا، مجا بھی تھا۔ اور یہی دوڑ آپ کو اپنے ہاں بھی نظر آجائے گی۔ آپ کے اس ملک میں جتنے بڑے سپانے پر جو اگر شتہ دنوں ہوا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ کو معلوم ہے کہ سیور ریفیل کی شکل میں کروڑوں بلکرا بلوں روپے کا جو کھیلا گیا۔ اور آپ کی وزیر اعظم نے یہاں تک کہہ دیا کہ میں تو وزیر خزانہ سے کہنے والی ہوں کہ باقی ٹیکس وغیرہ سب کو چھوڑیں اور یہ لاٹری کا دھندا شروع کریں۔ اس میں جو رقم کھٹی ہوتی ہے وہ ہم نے کسی اور کام میں نہیں دیکھی۔ انعامات کی امید پر جو لاکھوں افراد جوئے کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ کون لوگ تھے؟ یہ آسمان سے اترنے والی کوئی دوسری مخلوق نہیں تھی۔ یہ کوئی ہندو نہیں تھے، یہ یہودی نہیں تھے، بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا تھے۔

اَکْ فَرَمَايَا: لَوْلَا يَنْهَاهُمْ الرَّبِّيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ
وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ۔ کیوں نہیں روکتے انہیں ان کے صوفیاء اور ان کے علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام غوری سے۔ ربانی کہتے ہیں اللہ والے کو، رَبُّ سے ربانی بنا ہے یعنی درویش، فقراء، صوفیاء اور صلحاء وغیرہ۔ احبار جمع ہے جبر کی جبر کہتے ہیں بہت بڑے عالم کو۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جبر اللہ کہا جاتا ہے۔ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی دعا فرمائی تھی کہ اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمَهُ التَّوَابِلِ
یعنی اے اللہ اسے دین کا فقہ عطا فرما اور قرآن حکیم کے اصل مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کی صلاحیت عطا فرما۔ حضور کی دعا کی برکت سے امت کے سب سے بڑے عالم ہو گئے تو ظاہر

بات ہے کہ جس طرح ہماری امت میں بڑے بڑے عالم اور صوفیاء ہیں، ایسے ہی بنی اسرائیل میں بڑے بڑے عالم اور فقیہ بھی ہوتے تھے اور صوفیاء اور رویش بھی۔ تو فرمایا کہ ان کے کرنے کا کام تو یہ تھا کہ وہ لوگوں کو گناہ کی بات کہنے اور حرام خوری سے روکتے، لیکن فی الحقیقت وہ کیا کام کر رہے ہیں؟ انہوں نے اپنے فرض منصبی کو ترک کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کو بُرائی سے روکتے نہیں اور روکیں بھی کیسے؟ حرام خوری سے روکیں گے تو لوگ ان کی طرف رجوع نہیں کریں گے، کسی دوسرے کی طرف کر لیں گے۔ میں آپ کو ایک حقیقی واقعہ بتاتا ہوں کہ ایک صاحب نے خود مجھ سے کہا کہ میں آئندہ آپ کے ہاں جمع پڑھنے نہیں آؤں گا۔ میں نے پوچھا: کیوں؟ کہنے لگے کہ آپ ہمیں ہر چند جموں کے بعد وہ سُود کی شاعت والی حدیث سنا دیتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ سُود کے بغیر تو ہمارا کاروبار چلتا نہیں۔ اب ایسی حدیثیں سننے کا مطلب تو یہ ہے کہ ہم لوگ وہ کام کر رہے ہیں جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کے ساتھ بدکاری سے بھی ستر گنا بڑا گناہ بتایا ہے۔ آپ ہمیں ایسی حدیثیں سناتے رہتے ہیں۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ آپ کے ہاں نہیں آؤں گا۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے، میرا کام تو سنانا ہے، پہنچانا ہے، سمجھانا ہے۔ سنانا چاہو تو سنو! آج نہیں تو شاید اللہ تعالیٰ اکل توفیق عطا فرمادیں لیکن اگر سنانا نہیں چاہتے تو میں زبردستی تو نہیں کر سکتا۔ اب وہ علماء جن کی مجبوری یہ ہے کہ اُن کا معاش کا معاملہ وہیں سے ہے، جن کی تنخواہیں انہی سُود خور سرمایہ داروں کی طرف سے آرہی ہیں وہ انہیں کیسے کہیں کہ حرام خوری ترک کر دو۔ اکثر و بیشتر وہی چوہڑی اور سرمایہ دار ساجد کے منتظم اور مہتمم ہیں۔ وہی تو ہیں جو یہاں بہترین قالین لاکر بچھاتے ہیں۔ اب اُن کے کاروبار میں حرام ہے تو انہیں کون روکے؟ الاماشار اللہ۔ اس معاشرے میں کچھ سعید روہیں بھی ہیں جن کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ایک قلیل تعداد امین اور دیانتدار تاجروں اور کاروباری حضرات کی بھی یقیناً موجود ہے اور معدودے چند علماء بھی ایسے ہیں جو کسی ملامت کے خوف کے بغیر نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں لیکن

لِ الرِّبَا سَبْعُونَ جُزْءً اَيَسَّرَهَا اَنْ يَنْسَحَ الرَّجُلُ اَمَةً

(رواہ ابن ماجہ و ابویہمی فی شعب الایمان: عن ابی ہریرہ)

معاشرے میں ایسے لوگوں کا وجود آٹے میں نمک سے زیادہ نہیں۔ چنانچہ جب معاشرے سے
 نہی عن المنکر ختم ہو جاتا ہے تو پھر تباہی و بربادی عام ہو جاتی ہے۔ آج اس مضمون کو اچھی طرح سمجھیے
 قرآن کہتا ہے کہ ”کیوں نہیں روکتے انہیں ان کے صوفیاء اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور بڑام
 خوری سے؟“ لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ: ”بہت بُرا ہے وہ عمل جو انہوں نے اختیار کر رکھا“

سورۃ المائدہ میں آگے چل کر اسی کے ہم مضمون چار آیات مزید آئی ہیں:
 لِعَنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ
 دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا
 يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ
 لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ سَيُكَلِّفُونَ
 الَّذِينَ كَفَرُوا لَيْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ
 أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ۝
 وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا
 اتَّخَذُوا هُمُ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ۝

”بنی اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ان پر حضرت داؤد اور حضرت
 عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ نافرمانی
 کرتے تھے اور (صدور الہی سے) تجاوز کرتے تھے۔ (ادراں کا اہل جرم یہ تھا کہ) وہ
 ایک دوسرے کو شدت کے ساتھ منع نہیں کرتے تھے ان برائیوں سے جو وہ کرتے
 تھے۔ بہت ہی بڑا طرز عمل ہے جس پر وہ کار بند تھے۔ تم دیکھو گے ان میں سے بہت
 سوں کو کہ دوستی رکھتے ہیں کافروں سے۔ کیا ہی برا سامان انہوں نے اپنے لیے آگے
 بھیجا ہے کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور عذاب میں وہ ہمیشہ ہمیش رہنے والے ہیں۔
 اور اگر وہ (واقعہ) ایمان رکھتے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور اس شے پر جو اس پر نازل کی
 گئی تو وہ کافروں کو اپنا دوست نہ بناتے۔ لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) ان میں سے اکثر
 نافرمان ہیں۔“

یہاں اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جو اگرچہ بنی اسرائیل میں سے تھے، موسیٰ علیہ السلام کے امتی تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور چھیتے ہونے کا دعویٰ بھی تھا، لیکن اُن کی روش گناہ و محصیت اور حرام خوری کی تھی۔ چنانچہ ان پر انبیاء کی زبان سے لعنت فرمائی گئی۔ حضرت داؤد کی زبانی ان پر کیا کیا لعنتیں ہوئیں، ان کے الفاظ آج ہمارے پاس موجود نہیں ہیں۔ اس وقت جو بھی 'زبور' موجود ہے جسے 'PSALMS' کہا جاتا ہے اور جو عہد نامہ قدیم (OLD TESTAMENT) کا حصہ ہے اس میں ایسی باتیں موجود نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہود پر حضرت داؤد کی زبان سے جو تنقید کی باتیں کہلائی تھیں، انہیں یہود نے زبور کے صفحات سے کھرچ دیا ہے۔ لیکن اللہ کا بڑا شکر ہے کہ ایسی باتیں انجیل میں اب بھی موجود ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے خاص طور پر علمائے یہود پر بہت تنقیدیں کی ہیں۔ انہیں سانپ کے سپولیوں سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا: "تم سانپ کے سپولیوں کے مانند ہو۔ تمہارا حال یہ ہے کہ تم نے اپنے اوپر تقویٰ کا لباؤہ اڑھا ہوا ہے اور اندر سے تمہارا کردار انتہائی گنہاؤنا ہے۔" علمائے یہود کو مخاطب کر کے حضرت مسیح نے یہ الفاظ بھی فرمائے: "تمہارا حال اُن قبروں کے مشابہ ہے جنہیں اوپر سے تو سفیدی کی گئی ہے اور بڑی خوشنما نظر آرہی ہیں لیکن اُن کے اندر گلی سٹری ہڈیوں کے سوا اور کچھ نہیں۔" اور یہ بہترین ضربِ اشل بھی حضرت مسیح ہی کی ہے جو ہمارے ہاں عام طور پر ادب میں استعمال ہوتی ہے کہ "تم مجھ چھپانتے ہو اور سوچے اونٹ نکل جلتے ہو۔" ہمارا حال بھی یہی ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑے ہو رہے ہیں لیکن بڑے بڑے گناہوں کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں۔ سوڈ خوری پر کوئی نہیں روکے گا لیکن رفع یدین، آمین، بالچہر اور تراویح کی تعداد پر بڑے بڑے پوسٹرم بھی چسپاں گئے، بڑے چیلنج بھی ہوں گے، لمبی چوڑی بخشش اور مناظرے بھی ہوں گے اور پورے پورے کانفرنس بھی ہوں گی۔ حالانکہ دین میں ان کی اہمیت بالکل جزوی اور ثانوی ہے۔ دوسری طرف سوڈ کا لین دین ہو رہا ہے، جو اور سٹے سب کچھ چل رہا ہے، لیکن کسی کو کچھ کہنے کی توفیق نہیں۔ اصل میں یہی وہ بات ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل پر لعنت کی گئی۔ آگے فرمایا:

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَاكَافَرُوا يَعْتَدُونَ۔ "یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور حدودِ الہی سے تجاوز کی روش اختیار کی۔" معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر رحمت فرماتا ہے

تو وہ بھی اس کے اعمال کی مناسبت سے، اور اگر اللہ کی طرف سے لعنت ہوتی ہے تو وہ بھی یونہی نہیں ہو جاتی، بلکہ لوگوں کی اپنی بدکاری اور بد اعمالی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اب آگے وہ اصل مضمون آ رہا ہے جس کے لیے یہ آیات بیان کر رہے ہیں: کَاٰفَا لَا يَتَسَا هُوْنَ عَنْ مَّكَرٍ فَعَلُوْهُ۔ ان کا سب سے بڑا جرم، سب سے بڑی نافرمانی، اور سب سے بڑا اعتداریہ ہے کہ جو غلط کام وہ کرتے تھے، اس پر ایک دوسرے کو شدت کے ساتھ منع نہیں کرتے تھے، روک ٹوک نہیں کرتے تھے۔ 'تناہی'، باب تفاعل سے ہے۔ اسی باب سے لفظ 'تواہی' ہے: وَتَوَاكَلْوا بِالْحَقِّ وَتَوَاكَلْوا بِالصَّبْرِ۔ شدت اور اشتراک باب تفاعل کا خاصہ ہے یعنی باہم کسی کام کو انتہائی شدت کے ساتھ سرانجام دینا۔ تو 'تناہی' کے معنی ہوں گے پوری تاکید اور شدت کے ساتھ آپس میں ایک دوسرے کو گناہوں سے روکنا تو کتنا۔ قرآن یہودیوں پر جرم عائد کر رہا ہے کہ ان کا اصل جرم جس کی بنا پر ان پر لعنت کی گئی وہ یہی تھا کہ وہ منکرات سے ایک دوسرے کو پوری تاکید کے ساتھ روکتے نہیں تھے کسی گنہگار سے معاشرے کے مختلف طبقات کے اندر مختلف خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن وہ ایک دوسرے کی برائیوں پر روک ٹوک اس لیے بند کر دیتے ہیں کہ اس طرح خود ان کی اپنی برائیوں پر بھی تنقید ہوگی۔ لہذا ان کے باہم گویا ایک شریفانہ معاہدہ (A GENTLEMAN AGREEMENT) ہو جاتا ہے کہ کوئی کسی کو گھنچ نہ کہے۔ آج کل کے دور میں تو بسا اوقات اس کو رواداری کا نام بھی دیا جاتا ہے کہ ہر ایک کا اپنا اپنا خیال، اپنا اپنا نظریہ، اپنے اپنے معیارات اور اپنی اپنی اقدار ہیں لہذا کسی کو دوسرے پر تنقید کا حق نہیں۔

ایک چونکا دینے والی حدیث

میں چاہتا ہوں کہ یہاں اس مضمون سے متعلق ہم ایک حدیث کا مطالعہ بھی کر لیں تاکہ قرآن مجید کی تفسیر حدیث رسول کی روشنی میں سامنے آجائے۔ حدیث چونکہ طویل ہے لہذا اس کا ترجمہ و تفہیم ہم متن کے ساتھ ساتھ کریں گے:

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ -

بنی اسرائیل میں سب سے پہلے جو نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا —

دیکھیے کسی قوم میں جب زوال آتا ہے تو درجہ بدرجہ آتا ہے۔ کوئی آدمی زینے پر چڑھتا
ہے تو ایک ایک بیٹھی کر کے چڑھتا ہے اور نیچے اترتا ہے تب بھی درجہ بدرجہ اترتا ہے۔ اسی
طرح گراؤٹ بھی ایک دم سے نہیں آتی۔ بڑے بڑے بند جب ٹوٹتے ہیں تو شروع میں چھوٹا
سا سوراخ ہوتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ بڑی بڑی نہروں میں شکاف ایسے پڑتے ہیں کہ بسا اوقات
کسی چر ہے کے بل کے ذریعے سے پانی آتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے ایک بڑا شکاف پڑ جاتا
ہے۔ تو وہ چر ہے کا بل کون سا ہے جو قوموں کو برباد کرتا ہے؟ اس کا ذکر فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے کہ بنی اسرائیل میں جو اولین نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا:

أَنَّكَ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَسْئَلُ

کہ ان میں سے ایک شخص دوسرے شخص سے ملاقات کرتا تھا تو یہ کہتا تھا —

يَا هَذَا اتَّقِ اللَّهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ، فَإِنَّهُ لَا يَجِدُ لَكَ

اے فلاں، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور جو تم کر رہے ہو اس کو چھوڑ دو، اس لیے کہ یہ تہا کے

لیے جائز نہیں ہے۔

کہ بھائی یہ کاروبار جو تم کر رہے ہو یہ سود پر مبنی ہے، اسے چھوڑ دو۔ یہ تمہارا طرز معاشرت اللہ کے
احکام کے مطابق نہیں ہے، اسے تبدیل کرو۔ مثلاً آج ہم کسی سے یہ کہیں گے کہ سیور رفل کی
طرح کی سکیموں میں روپیہ لگاؤ، یہ جوا ہے، جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ یہ جو بے پردگی
اعتیاد کی ہے اس کو چھوڑ دو، یہ چیزیں جائز نہیں ہیں، حلال نہیں ہیں — یہاں تک تو
بات اس نے صحیح کی، برائی کے اوپر روک ٹوک کی، نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیا — لیکن

ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلَىٰ حَالِهِ

پھر اس کی اسی شخص سے اگلے روز دوبارہ ملاقات ہوتی تھی اور وہ اپنے سابق حال پر

قائم ہر تاتھا۔

یعنی جس بُرائی میں وہ مبتلا تھا، اس کو اس نے ترک نہیں کیا اور اسی طرح اپنی سابقہ حالت پر قائم رہا۔ وہ حرام خوری سے باز نہیں آیا، اپنا سُودی کاروبار بند نہیں کیا، جو اکیلنے سے تو نہیں کی، بلکہ حرام کاموں میں اسی طرح ملوث رہا۔

فَلَا يَمْنَعُهُ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ أَكِيْلَهُ وَشَرِيْبَهُ وَقَعِيْدَهُ

لیکن یہ چیز مانع نہیں ہوتی تھی اُس (پہلے شخص) کے راستے میں کہ وہ اس کا ہم نوالہ وہم پیالہ اور ہم نشین بنے۔

یعنی اس کے باز نہ آنے کے باوجود وہ مباح (اسے بدی سے روکنے والا) اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی تھا، پتیا بھی تھا، اس کا ہم نشین بنتا تھا، اس کے ساتھ خوش گپیاں کرتا تھا۔ اس کا مقاطعہ اور بائیکاٹ نہیں کرتا تھا۔ دیکھئے، نماز وتر میں آپ روزانہ دُعاے قنوت میں یہ الفاظ کہتے ہیں: وَتَخْلَعُ وَتَنْتَرِكُ مَنْ يَفْجُرُكَ۔ اے اللہ جو شخص مجھے تیرا فاجر ہوگا، تیرے احکام کو توڑنے والا ہوگا، ہم اس سے لاتعلقی کر لیں گے، اس سے اپنا تعلق منقطع کر لیں گے۔ لیکن عملاً ہمارا حال کیا ہے، اس پر نحو وغور کر لیجئے! کیا آج ہمارا طرز عمل بھی وہی نہیں ہے جو بنی اسرائیل کے مصلحین کا تھا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن جیسے انجام سے محفوظ رکھے۔

فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ ضَرَبَ اللَّهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ۔

جب انہوں نے یہ روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو آپس میں مشابہہ کر دیا۔

کہ جب یہ روش عام ہو گئی اور غیرت و حمیت دینی ختم ہوتی گئی تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی باہم ایک جیسا کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ خرلوزے کو دیکھ کر خرلوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ جب تک کہ ایسے لوگوں کا مقاطعہ اور سوشل بائیکاٹ نہ ہو ان کے رنگ سے آپ بھی نہیں بیچ سکیں گے۔ ان کا وہ رنگ آپ پر چڑھ جاتے گا اور آپ کے دل کے اوپر بھی وہی اثرات طاری ہو جائیں گے۔

اس کے بعد حضورؐ نے سورۃ المائدہ کی یہی چار آیات تلاوت فرمائیں جو ہمارے زیر مطالعہ

ہیں یعنی:

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا فاسقون ○

یہ گویا کہ ان چار آیات کی مستند شرح ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے سامنے بیان فرمائی کہ ان آیات کا مفہوم یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں پہلے پہل جو نقص واقع ہوا وہ یہ تھا کہ لوگوں میں احساس تھا، ان کے علماء منکرات سے روکتے تھے کہ خدا کے لیے بُرائی سے باز آ جاؤ، لیکن ان کے باز نہ آنے پر ان سے قطع تعلق نہیں کرتے تھے، بلکہ ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ بنے رہتے تھے اور ان کے ساتھ مجلسی روابط قائم رکھتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ توبہ لے نہیں، خود یہ ناحین اور مصلحین بدل گئے۔ ان کے اپنے دلوں کی کیفیت تبدیل ہو گئی اور ان کے اُوپر بھی وہی فاسقانہ رنگ چڑھ گیا۔

شہ قال:

(ان آیات کی تلاوت کے بعد) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَلَّا وَاللَّهِ لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوفِ

ہرگز نہیں، خدا کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا۔

وَلَتَنْهَوَنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ

اور تمہیں لازماً بدی سے روکنا ہوگا۔

وَلَتَأْخُذَنَّ عَلَيَّ يَدِ الظَّالِمِ

اور تمہیں لازماً ظالم کے ہاتھ کو قوت کے ساتھ پکڑ لینا ہوگا۔

وَلَتَأْطُرَنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا

اور تمہیں اس کو لازماً حق کی طرف جبراً موڑنا ہوگا۔

۱ بقول علامہ اقبالؒ

ہوتی نہ زراغ میں پیدا بلند پروازی خراب کر گئی شاہیں بچے کو صحبت زراغ

وَلْتَقْصُرْنَ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا

اور اسے حق کے اُوپر قائم رکھنا ہوگا۔

اللہ اللہ —، کلام نبوت کی فصاحت و بلاغت ملاحظہ فرمائیے اور پھر یہ انتہائی تاکیدی انداز بھی ہے۔ آگے فرمایا:

أَوْ لِيَصْرِبَنَّ اللَّهُ يَقْلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ

یا پھر اللہ تمہارے دل بھی ایک دوسرے کے مشابہ کر دے گا۔

یعنی اگر تم بھی وہی طرز عمل اختیار کرو گے اور اس ضمن میں اپنی ذمہ داری ادا نہیں کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ایک جیسے کر دے گا۔ انہی لوگوں جیسی قلبی کیفیات، وہی بے حسی، وہی بے غیرتی تمہارے اندر بھی پیدا ہو جائے گی۔

ثُمَّ لِيَلْعَنَكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ

پھر اللہ تعالیٰ تم پر بھی لعنت فرمائے گا جیسے ان (یہود) پر لعنت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس آخری انجام سے بچائے جس سے بنی اسرائیل دوچار ہوئے۔

رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ

اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی دونوں نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

هَذَا الْفِظُ أَبِي دَاوُدَ ، وَلَفْظُ التِّرْمِذِيِّ :

متذکرہ بالا الفاظ روایت ابوداؤد کے ہیں اور ترمذی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں (جو

آگے آرہے ہیں) :

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمَ لِمَا وَقَعَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ فِي الْمَعَاصِي

لَمَّا وَقَعَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ فِي الْمَعَاصِي

جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے

فَهُتُّهُمْ عُلَمَاءُ وَهُمْ

تو ان کے علماء نے انہیں روکنا۔ (یعنی ابتدا میں ان کے علماء نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہے)۔

فَلَمْ يَسْتَهْوُوا

لیکن وہ باز نہ آئے۔

فَجَآلسُوهُمْ فِي مَجَالِسِهِمْ وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارَكُوهُمْ
(لیکن اس کے باوجود ان علماء نے ان کی ہم نشینی اور ان کے ساتھ باہم کھانا پینا جاری رکھا۔

فَضْرَبَ اللَّهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ

تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو بھی باہم شاہد کر دیا۔

وَلَعَنَهُمْ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور ان پر حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی زبانی لعنت فرمائی۔

ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ

یہ اس لیے کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے رہے۔

فَجَلَسَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَكِيًا وَقَالَ:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے، جبکہ اس سے پہلے آپ ٹیک

لگاتے ہوئے تھے۔ اور فرمایا:

لَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ

ہرگز نہیں، اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔

حَتَّى تَأْطِرُوهُمْ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا

(تمہاری ذمہ داری اس وقت تک ادا نہیں ہوگی، جب تک کہ تم انہیں زبردستی ہی

کی طرف موڑ نہ دو!

قرآن حکیم کی متذکرہ بالا آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی روش سے

ہمارے علماء و صلحاء کا اور ان صوفیاء کا جو لوگوں کو تزکیہ نفس کے طریقے اور تقرب الی اللہ کے

راستے بتا رہے ہیں، سب سے بڑا فرض یہی نہیں عن المنکر ہے۔ ان سب پر واجب ہے کہ وہ

لوگوں کو منکرات پر ٹوکیں، انہیں منع کریں، ان پر تنقید کریں۔ اور اگر بازنہ آئیں تو ان کے ساتھ مقاطعہ کریں، بلنا جلنا چھوڑیں، ان پر یہ سوشل پریشر ڈالیں۔ اس وقت اگرچہ اہل حق علماء بھی موجود ہیں، دنیا کبھی ان سے خالی نہیں ہوتی اور نہ کبھی ہوگی۔ اس کی ضمانت دی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لَا يَرَالُ فِي أُمَّتِي طَائِفَةٌ قَاتِمِينَ عَلَى الْحَقِّ امِرِيَّتٍ میں ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، لیکن اس وقت ان کی اکثریت کا حال کیا ہے؟ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر بچپارے ملازم ہیں۔ انہی لوگوں کی طرف سے آنے والی تنخواہوں پر ان علماء و خطباء کی معیشت کا دار و مدار ہے۔ انہی کی طرف سے موضوع ہونے والے ہدیوں اور نذرانوں سے ان کا معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔ لہذا یہ انہیں روکیں اور ٹوکیں تو کس طرح ہے، اَلَا مَآءُ اللّٰہ!

دینی جماعتیں اور پاپور پالیٹیکس!

ان سے آگے بڑھ کر میں فعال دینی جماعتوں کے بارے میں عرض کر رہا ہوں کہ پاپور پالیٹیکس میں ان کے ملوث ہونے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان کی ساری دوستیاں اور تعلقات انہی لوگوں کے ساتھ ہیں جو کھلم کھلا منکرات میں مبتلا ہیں۔ انہی کے ڈیموں میں شریک نظر آئیں گے اور اخبارات میں فوٹو چھپیں گے کہ فلاں حضرت بھی بیٹھے ہوتے ہیں، فلاں جماعت کے لیڈر بھی تشریف فرما ہیں، فلاں کے آدمی بھی آتے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح کے ڈیموں میں جو کچھ منکرات ہوتی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ ان لوگوں کا جو رویہ ہے، جو کردار ہے اور ہماری پوری اجتماعی زندگی کے اندر جو زہر وہ گھول رہے ہیں اس سب سے صرف نظر کر کے صرف وقتی سیاست کے پیش نظر کسی وقت کسی کی ٹانگ گھسیٹنے کی خاطر ان کے ساتھ اتحاد ہو جائے گا اور کوئی تفریق نہیں ہوگی کہ اس کا نظریہ کیا ہے، اس کا رہن سہن کیا ہے، اس کا ذریعہ معاش کیا ہے، اس کے ہاں پردہ ہے یا بے پردگی ہے، کوئی پردہ انہیں! حدیث کے الفاظ "وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارِبُوهُمْ" کے مصداق انہی کی جمعیسی، انہی کے ساتھ کھانا پینا، سماجی تقریبات میں ان کے ساتھ شرکت اور سیاسی اتحادوں میں ان کے ساتھ جمع ہو جانا یہ

ساری روش اس مطلوب طرز عمل کی بالکل ضد ہے۔ اگر ہم اپنی روش تبدیل نہیں کریں گے تو پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب ہم اللہ کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ لازمًا تم پر بھی لعنت کرے گا جیسے اس نے لعنت فرمائی تھی بنی اسرائیل پر۔ اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے امتی ہو تو بنی اسرائیل کو بھی بڑا فخر تھا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں، ہم موسیٰ کے امتی ہیں، ہم تورات کے ماننے والے ہیں، نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاءُہٗ، کہ ہم تو اللہ کے بیٹوں کے مانند ہیں اس کے بڑے لاد لے اور چہیتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ چہیتا اور لاد لاد ہونے کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کے عدل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنا۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا: صُوِبَتْ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُ وَّلِيْعَظِبِ مِّنَ اللّٰهِ۔ (ان پر تسلط کر دی گئی ذلت اور محتاجی اور وہ چہرے اللہ کا غصہ لے کر)۔

اگلی آیات میں ان کے مجلسی روابط کا نقشہ کھینچا گیا ہے:

تَرٰی كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَا

تم دیکھو گے ان میں سے بہت سوں کو کہ دوستی اختیار کرتے ہیں انہی کی جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی۔

انہی کے ساتھ مجلسی روابط ہیں، انہی سے دوستیاں استوار ہو رہی ہیں اور محبت کی پٹنگیں بڑھاتی جا رہی ہیں۔ اس دور میں ہماری دینی جماعتوں کے اتحاد اور گٹھ جوڑ ان لوگوں کے ساتھ ہو رہے ہیں جن کا دین و مذہب کے ساتھ سرے سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو براہ کھ ہے ہیں کہ ہم اللہ کو نہیں مانتے۔ یہ لوگ یا کہ بہت بڑا اجتماعی جرم ہے کہ کسی کے عقائد و نظریات افعال کردار اور شخصیت و کردار کی تیز کیے بغیر اس سے روابط بڑھالیے جائیں۔

لَيْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

بہت بُری ہے وہ کمانی جو انہوں نے اپنے لیے آگے بھیجی ہے۔

یعنی ان کے اس طرز عمل کے نتیجے میں اللہ کے ہاں ان کے لیے جو کچھ جمع ہو رہا ہے بہت بُرا ہے۔ اور وہ کیا ہے؟

أَنْ سَخَطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ○

وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

بنی اسرائیل اپنے کرتوتوں کی بنا پر اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے۔ ان کے لیے قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر "وَبَاءَ وَبِعَضِّ مِنَ اللَّهِ" کے الفاظ آتے ہیں اور یہاں انہیں مفلوہ فی العذاب کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے عذاب تو خالص کفار کے لیے ہو گا اور جو کوئی حقوڑا سا ایمان بھی رکھتا ہو اس کے لیے دائمی عذاب نہیں ہے۔ لیکن یہاں یہ سزا علمائے یہود کے لیے فرمائی جا رہی ہے۔ گویا ان کے طرز عمل سے درحقیقت ان کے ایمان کی نفی ہو رہی ہے۔

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ

اور اگر وہ (واقعہ) ایمان رکھتے ہوتے اللہ پر اور نبی پر اور اس شے پر جو اس پر نازل کی گئی۔

مَا اتَّخَذُوا هُمْ أَوْلِيَاءَ

وہ انہیں اپنا دوست نہ بناتے۔

جو سمجھتے ہیں کہ ہم صاحبِ ایمان ہیں، اگر وہ واقعہ ایمان رکھتے ہوتے تو یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ ایسے لوگوں سے دوستیاں گانٹتے اور ان سے مجلسی روابط استوار کرتے۔ ایمان کے اندر تو غیرت ہوتی ہے جو کسی درجے میں بھی ایسی بات برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔

وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ○

لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) ان کی اکثریت فساق و فجار پر مشتمل ہے۔

سورۃ المائدہ کے یہ دو مقامات اور ابو داؤد اور ترمذی کی روایت کردہ یہ دو احادیث

جو میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں، ان میں بلاشبہ ہمارے لیے ہدایت و رہنمائی کے خزانے مضمّن ہیں۔ آپ انہیں خود بھی پڑھیے اور انہیں دوسروں تک بھی پہنچائیے، انہیں عام کیجئے! اور اللہ کرے کہ یہ آیات اور احادیث ان حضرات کے کانوں تک بھی پہنچ جائیں جو دین و مذہب کے نام لیوا ہیں اور وہ ان کی روشنی میں اپنے طرز عمل کے بارے میں کچھ غور کریں۔ ان دینی جماعتوں کی حالت دیکھ کر بالخصوص شدید صدمہ ہوتا ہے جو فی الوقت پاور پالٹیکس میں

دائیں یا بائیں بازو کی بڑی سیاسی جماعتوں کے ضمیمے بنی ہوئی ہیں، جبکہ انہیں معلوم بھی ہے کہ فریقین میں انیس بیس سے زیادہ کافر فرق نہیں ہے۔ وہی سرمایہ دار، جاگیر دار اور زمیندار ادھر بھی ہیں اور ادھر بھی — اور ان کے لچھن، ان کے طرز معاشرت، ان کی تہذیب اور ان کی اقدار میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ یہ ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر مینڈکوں کی طرح پھدکتے رہتے ہیں، یا اُجکل کی اصطلاح میں ہارس ٹریڈنگ ہو رہی ہے۔ لیکن مذہبی جماعتیں ادھر یا ادھر منتقلی ہو کر اور اپنی طاقت ان کے پڑوں میں ڈال کر خود اپنی منزل کھوئی کرتی ہیں۔ مذہبی جماعتوں کے کرنے کا اصل کام تو، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، فرضیہ نہیں عن المنکر کی ادائیگی ہے۔

ایک اچھی مثال

اس سلسلے میں گزشتہ دنوں کچھ اچھی خبریں آئی تھیں اور بعض حلقوں کی طرف سے نہی عن المنکر کے ضمن میں زور دار موقف اختیار کیا گیا۔ کَثْرَ اللّٰہِ اَمْثَالُہُمْ (اللہ کرے کہ ان کی مثالیں اور بڑھیں!) اور مجھے اس پر خوشی ہے کہ کم از کم جماعت اسلامی نے تو اس سلسلے میں ڈوٹ کر موقف اختیار کیا۔ اس اقدام کی جو برکتیں ظاہر ہو رہی ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ بھارتی طالبے کی آمد رک گئی ہے اور سال نو کے جشن کے عنوان سے بڑے بڑے ہوٹلوں میں طغیان بدتمیزی کے جو مظاہرے ہو کر تے تھے، وہ اب لوگوں کی اپنی کونھٹیوں کے اندر محدود ہو کر رہ گئے ہیں اور اس موقع پر بعض ایسی تنظیموں کی طرف سے بھی جماعت کا ساتھ دینے کا اعلان آگیا تھا جن کے نہ صرف افکار و نظریات ان سے مختلف ہیں، بلکہ اُس وقت ان کے مابین شدید کشیدگی بھی تھی۔ چنانچہ اس سے اس بات کا ثبوت بھی مل گیا کہ سہی راستہ دینی جماعتوں کو مجتمع کرنے کا راستہ ہے!!

بعض حضرات تبلیغی جماعت سے بڑی مایوسی کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ لوگ تو سیاست کی بات بھی کرنے کو تیار نہیں، اور مسلمانوں پر اگر کہیں کوئی ظلم ہوتا ہے تو اس پر بھی کوئی آواز اٹھانے کے روادار نہیں۔ یہ بات اگرچہ بنیادی طور پر غلط نہیں ہے، انہوں نے بطور پالیسی یہ روش اختیار کی ہے اور وہ نہی عن المنکر سے صرف نظر کر کے صرف امر بالمعروف کا کام کیے جا رہے ہیں

اور میں بھی قرآن حکیم کے نو مقامات کے حوالے سے ان کی اس غلطی کو واضح بھی کر چکا ہوں۔ لیکن جو کام یہ کر رہے ہیں وہ بھی رائیگاں جانے والا نہیں ہے۔ یہ خیر و شر اور حلال و حرام کا شعور تو پیدا کر رہے ہیں۔ مجھے یقین حاصل ہے کہ اس معاشرے میں اگر کوئی ایسی قوت پیدا ہو جائے جو نبی عن المنکر کو طاقت کے ساتھ کرنے کے لیے میدان میں آئے، تو تبلیغی جماعت کے ساتھ عوام کی جو طاقت ہے ان کی بہت بڑی تعداد اس کام میں شریک ہو جائے گی۔ تحریک نظام مصطفیٰ میں بھی تو تبلیغی جماعت سے والہ بہت سے نوجوان میدان میں نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اور میں آپ کو اسی تحریک کا وہ واقعہ یاد دلاتا ہوں جب لاہور کے نیلا گنبد چوک میں تبلیغی جماعت کا ایک نوجوان بار بار کی وارننگ کے باوجود سینہ تانے آگے بڑھتا رہا اور بالآخر سینے میں گولی کھا کر جام شہادت نوش کر گیا۔ ان واقعات میں انسان کے لیے عبرت کا وافر سامان پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس ملک میں ۱۹۸۲ء میں میرے حوالے سے بعض مغرب زدہ خواتین نے جو ہنگامہ کھڑا کیا تھا، مجھے اسی وقت اس حقیقت کا تجربہ ہو گیا تھا کہ اگر واقعہ کوئی جماعت نہیں عن المنکر کا کام کرنے کے لیے کھڑی ہو جائے تو تمام مذہبی مکاتب فکر ساتھ دیں گے۔ اس لیے کہ ہمارا معاشرہ اگرچہ عملی طور پر انحطاط کا شکار ہے لیکن ہماری چودہ سو برس کی تاریخ نے ہمارا اجتماعی ذہن بنایا ہے اس کے تحت اشعار میں معروف اور منکر کے صحیح تصورات موجود ہیں۔ چنانچہ اُس موقع پر تمام مکاتب فکر کی مساجد سے میری تائید ہوئی، جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد صاحب نے میرے حق میں حیدرآباد سندھ میں تقریر کی، اور کراچی میں جماعت اسلامی کے حلقہ خواتین کی طرف سے مغرب زدہ خواتین کے جلوس کے جواب میں باپردہ خواتین کا کئی گنا بڑا جلوس نکالا گیا تو اُس وقت یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی تھی کہ عذر نام نہ تو یہی مٹی بڑی زرغین ہے ساقی! لیکن اس کے لیے ضرورت اس بات کی ہے ایک جماعت ایسی ہو جو منکرات کے خلاف میدانِ عمل میں آنے والوں کو کنٹرول میں رکھ سکے۔ یہ نہ ہو کہ کہیں عذر دین تلافی بیل اللہ فساد کی صورت پیدا ہو جائے! جب تک شکل نہ ہو جائے اس وقت تک میدان میں آنے کے مثبت نتائج نہیں نکل سکتے، بلکہ اس سے جو سیاسی بے حسینی پیدا ہوگی اس سے کچھ اور لوگ فائدہ اٹھالے جائیں گے، جو ملحد و بے دین بھی ہو سکتے ہیں اور ملک و قوم کے دشمن بھی!!

دومزید احادیث

نبی عن المنکر کی خصوصی اہمیت کے ضمن میں مزید دو احادیث کا مطالعہ کر لیجئے۔ میرے خطابات میں ان احادیث کا ذکر بار بار آیا ہے۔ ”مسلمانوں کے لیے سرکھانی لائسنس عمل میں بھی ان کا تذکرہ ہے، لیکن وہاں متن موجود نہیں ہے۔ یہاں ہم متن کے ساتھ ان کا مطالعہ کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخَدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

حضرت البرسعدی خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا

جو کوئی بھی تم میں سے کسی منکر کو دیکھے

فَلْيَعِزَّهُ بِيَدِهِ

تو وہ اپنے ہاتھ سے اسے بدلے!

فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَيَلْسَانِهِ

اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے (اس بُرائی کو روکے!)

اس کو ذرا اچھی طرح نوٹ کر لیجئے کہ نبی عن المنکر کے جن دو درجوں کا بیان یہاں ہوا ہے ان میں سے پہلا درجہ ہے نبی عن المنکر بالید کا۔ یعنی کوئی بُرائی نظر آتے تو ”زور دست و ضربت کاری“ سے اس کا قلع قمع کر دیا جائے۔ لیکن یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس بُرائی سے نمٹنے کے لیے موثر قوت موجود ہو۔ بصورت دیگر بندہ مومن کا فرض ہے کہ وہ اس قوت کے حصول کے لیے کوشاں ہو۔ اور اس کے ساتھ ہی نبی عن المنکر باللسان کا فرض یاد کرے یعنی زبان سے لوگوں کو روکا جائے کہ خدا کے لیے اس سے باز آجاؤ، اسے چھوڑ دو۔ زبانی مدافعت میں قلم بھی داخل ہے۔ اس مقصد کے لیے کتابیں اور رسالے شائع کیے جائیں۔ نشر و اشاعت کے دوسرے ذرائع بھی بروئے کار لائے جائیں۔ آج نبی

19965

عن المنکر باللسان کا ایک بہت بڑا ذریعہ آڈیو اور ویڈیو کیسٹس ہیں۔ آپ گفتگو اور تقاریر کو اس ذریعے سے عام کر سکتے ہیں۔ اس طرح ایک ہی مقرر کی کوئی تقریر دُور دُور تک پہنچ سکتی ہے آج میں یہاں جو تقریر کر رہا ہوں، ہو سکتا ہے کہ کل ہمارے کوئی دوست اس کا کیسٹ لے کر امریکہ یا آسٹریلیا پہنچ جائیں۔ ہمیں پتہ بھی نہیں ہوگا اور یہ کیسٹ وہاں پھیل رہا ہوگا۔ اللہ فضل ہے کہ اس وقت میرے دروس و خطابات کے کیسٹ لاکھوں کی تعداد میں پوری دنیا میں گردش میں ہیں۔ میں نے حال ہی میں 'حکمتِ قرآن' کا جنوری فروری ۹۰ء کا جو شمارہ شماره شائع کیا ہے، اس میں دعوتِ رجوع الی القرآن کی ایک پوری تاریخ بیان کر دی ہے۔ اس میں اس کے بارے میں بھی خاص طور پر عرض کروں گا کہ جس شخص کو بھی ہمارے اس کام سے کوئی عملی دلچسپی ہے وہ اس شمارے کو ضرور پڑھے اور اس کے مندرجات پر سنجیدگی سے غور کرے۔ اس میں پوری تاریخ بیان کی گئی ہے کہ امت کا تعلق قرآن سے کیوں کمزور پڑا۔ پھر یہ کہ قرآن کی طرف رجوع کا دوبارہ آغاز کب ہوا۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا مقام ہے اس کے بعد اب تفسیر قرآن کے جو سلسلے چل رہے ہیں وہ کون کون سے ہیں۔ اور اس بارے میں انجمن خدام القرآن اور تنظیم اسلامی کی خدمات کیا ہیں۔ یہ ساری داستان آپ کو اس ایک پرچے میں مل جائے گی۔ اور اس وقت میرا ذہن اس کی طرف اس لئے منتقل ہوا کہ میں نے اس میں لکھا ہے کہ میں مطمئن ہوں کہ میں نے اپنی عمر اور اپنی صلاحیتیں اس کام میں لگائی ہیں۔ مجھے یہ کام کرتے ہوئے پورے پچیس برس ہو گئے ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں میں اس شہر کراچی سے منتقل ہو کر اپنے اس کام کو شروع کرنے کے لیے لاہور گیا تھا۔ اب ۱۹۹۰ء آگیا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے میری عمر کی ربع صدی بیت چکی ہے کہ قرآن حکیم کا پڑھنا پڑھانا اور سیکھنا سکھانا میرا اصل مشغلہ رہا ہے۔ ان میں سے چھ سال (۶۵ تا ۶۱ء) ایسے ہیں کہ ساتھ مطب بھی چل رہا تھا۔ فروری ۱۹۷۱ء میں میں نے حرم شریف میں بیٹھ کر یہ طے کیا کہ اب ہمہ وقت یہی کام کروں گا۔ چنانچہ میں نے مطب بند کیا،

۱۔ 'حکمتِ قرآن' کے مذکورہ شمارے کے مندرجات محترم ڈاکٹر صاحب کی تازہ تالیف و دعوتِ رجوع الی القرآن کا منظرہ
پس منظرہ میں شامل کر لیے گئے ہیں۔ (مرتب)

پر کیٹس چھوڑی اور اُس وقت کے بعد سے میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا کوئی لمحہ بھی فخرِ معاش میں بسر نہیں ہوا۔ میں نے اپنی ساری توانائیاں اور قوتیں اسی کام میں لگائی ہیں۔ اور آج مجھے بڑا اطمینان ہے کہ میرے یہ دروس قرآن و دنیا کے کونے کونے میں مئے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے فضل و کرم سے میرے اپنے تین بچوں سمیت پچیس تیس اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان اب اسی انداز میں دے رہے ہیں۔ میرا یہ کام الحمد للہ جاری رہے گا اور یہ بات بڑھتی رہے گی، پھیلی رہے گی، لوگوں تک پہنچتی رہے گی۔ اور ہمیں اندازہ بھی نہیں ہے کہ کہاں کہاں تک یہ باتیں پہنچ رہی ہیں۔

میں نے اس پرچے میں لکھا ہے کہ میں اکتوبر ۸۹ء کے اواخر میں جب حیدرآباد دکن گیا،

وہاں ایک روز میری تقریر ہوئی، جس کے کیسٹ رات بھر تیار کیے گئے۔ اگلے روز جب میری تقریر ہوئی تو سات سو کیسٹ تیار ہو سکے تھے، جو سب کے سب فروخت ہو گئے۔ اور یہ کیسٹ وہ شے ہے جو تین منٹ میں کاپی ہو جاتا ہے۔ نہ معلوم اس سے آگے کتنی جگہ پر بات پہنچ رہی ہوگی۔ اور گزشتہ رات ہمارے ایک ساتھی نے بتایا کہ وہاں میں نے سیرت النبی کے جلسے میں جو تقریر کی تھی، جس میں ڈیڑھ پونے دو لاکھ سامعین تھے، قریباً ڈیڑھ گھنٹے کی اس تقریر میں سے پندرہ منٹ کی تقریر دُور درشن (ٹیلی ویژن) کے نیٹ ورک پر پورے انڈیا میں دکھائی گئی۔ تو یہ بات تو ان شاء اللہ پھیلی رہے گی۔ میں اگرچہ بڑھا پے میں قدم رکھ چکا ہوں اور اکثر علیل رہتا ہوں، لیکن بہر حال جب تک جان میں جان ہے اور جب تک بھی یہ اعضاء و جوارح ساتھ دے رہے ہیں یہی کام کرنا ہے، اللہ کے اس پیغام کو پہنچانا ہے۔ نہی عن المنکر باللسان کا یہ کام کرتے رہنا ہے۔ ہم غلط کو غلط کہیں گے، حرام کو حرام کہیں گے، خواہ کسی کو کتنا ہی ناگوار گزرے! کسی کو نہیں سُننا ہے، نہ سُننے! جمعہ چھوڑ کر جاتا ہے، چلا جائے! الحمد للہ اس معاملے میں مجھے تعدا کی کوئی فکر نہیں ہوتی، لیکن بات وہی کہنی ہے جو صحیح ہو۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہہ رہا ہوں کہ آج تک یہ سوال کبھی میرے سامنے نہیں آیا کہ میری بات سے کون راضی ہے، کون ناراض! البتہ میں نے ہر بات کہنے سے پہلے یہ ضرور سوچا ہے کہ آیا میرا اللہ اس پر راضی ہوگا یا ناراض۔ یا یہ سوچا ہے کہ میرا ضمیر مجھے اس کی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ اس کے سوا تیسری بات کبھی سامنے نہیں آتی۔

علیہ وسلم کے ساتھیوں کے لیے لفظ 'صحابہ' استعمال ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں دونوں لفظ جمع فرمادیتے۔ اب نوٹ کیجئے کہ انبیاء کے حواری اور اصحاب کرتے کیا تھے:

يَا خُدُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ

وہ اس کی سنت کو مضبوطی سے پکڑتے تھے اور اس کے حکم کے مطابق چلتے تھے

یہ حواری اور اصحاب اپنے نبی کی اقتدا کرتے تھے، پیروی کرتے تھے۔ جیسے نماز میں ایک امام ہوتا ہے اور اس کے پیچھے مقتدی اس کی پیروی کرتے ہیں۔

ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلَفُ مِنْ بَعْدِ هُمْ خُلُوفٌ

پھر (ہمیشہ ایسا ہوتا رہا کہ) ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ آجاتے تھے۔

جیسے ہم ہیں، جیسے آج کی امت مسلمہ ہے۔ یہ ناخلف لوگ کیا کرتے تھے؟ یہاں بھی حضورؐ نے ڈوہی باتیں بیان فرمائیں:

يَقُولُونَ مَالًا يَفْعَلُونَ وَيَفْعَلُونَ مَالًا يُؤْمَرُونَ

کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے۔ اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔

مثلاً بدعات، نئی نئی رسومات اور نئی نئی چیزیں ایجاد کر لی جاتی رہی ہیں جن کا اللہ کی کتاب میں کوئی حکم ہے نہ اس کے رسولؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طرز عمل میں ان کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسولؐ سے وفاداری کے زبانی دعوے جو ہیں وہ

بہت بلند بانگ ہیں۔ اس طرز عمل کے بارے میں سورۃ الصف میں فرمایا گیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَالًا تَفْعَلُونَ ۚ اے مسلمانو، کہیں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ لیکن کہنے میں کیا جاتا ہے! حضورؐ کے عشق کے دعوے کیجئے، عشق رسولؐ کے اظہار کے لیے

بڑی لمبی چوڑی نعمتیں پڑھ لیجئے۔ کیا گیا ہے کچھ بھی نہیں! محض زبان ہلا دینا تو بہت آسان ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کا طرز عمل یہ تھا کہ کہتے وہ تھے جو کرتے نہیں تھے اور کرتے وہ تھے جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ آگے آپؐ نے فرمایا:

وَمَنْ جَاهَدَ هُمْ بِيدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

تو جو شخص ایسے لوگوں کے ساتھ جہاد کرے گا اپنے ہاتھ سے تو وہ مؤمن ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ هُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنی زبان سے وہ مؤمن ہے۔

وَمَنْ جَاهَدَ هُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جو ان سے جہاد کرے گا اپنے دل سے وہ بھی مؤمن ہے۔

وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ

اور اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں!

گویا کہ احساس ہی نہیں رہا، منکرات پھیل رہے ہیں، بے حیاتی عام ہو رہی ہے، بدعات پھیل رہی ہیں، رسومات کے طواریں طواریں ہیں۔ اور جو کچھ آج کل شادیوں میں ہو رہا ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ یہ سب ہو رہا ہے اور ہمارے احساسات کے اوپر جو تک نہیں رہیں گے۔ معلوم ہوا کہ **وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ** کے زمرے میں آ رہے ہیں اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور ہمیں اپنے ایمان کی تجدید کی توفیق عطا فرمائے۔

کیا مسلمان حکمران کے خلاف خروج جائز ہے؟

اب یہاں اس حدیث کی رو سے جو ایک اہم مسئلہ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بدستی سے عام طور پر نئی مسلمانوں میں ایک خیال عام ہو گیا ہے کہ اصحاب اقتدار خواہ کتنے ہی فاسق و فاجر اور ظالم و جابر ہوں، ان کے طور طریقے خواہ کیسے ہی ہوں، ان کے خلاف بغاوت نہیں ہو سکتی، جب تک کہ وہ آپ کو کفر کا حکم نہ دیں۔ اصل میں بعض احادیث اس مضمون کی ہیں کہ جب تک کفر لוח کا حکم نہ دیا جائے بغاوت نہیں ہو سکتی۔ ان احادیث کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو یہ مغالطہ ہوا اور عام طور پر اہل سنت میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ شاید خروج کسی شکل میں جائز نہیں! اور میں اسی کا نتیجہ اس وقت کی سنتی دنیا میں دیکھ رہا ہوں کہ بدترین جوڑے تباہی کے باوجود کہیں بیداری کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ میرے لیے آج کل یہ مسئلہ بڑے گہرے غور و فکر کا موجب ہو گیا ہے کہ اگرچہ دنیا میں شیعوں کے مقابلے میں شیعہ تعداد کے اعتبار سے ۱۰۰/۱ ابھی نہیں ہیں، لیکن اس صدی میں اگر کہیں انقلاب برپا کیا تو شیعوں نے کیا۔

ایک بڑی محکم بادشاہت کا تختہ الٹا اور اپنی فقہ کے مطابق ایک نظام قائم کر لیا۔ جبکہ دوسری طرف موریطانیہ سے لے کر انڈونیشیا تک پوری سٹی دنیا میں جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور الاخوان المسلمون جیسی عظیم تحریکوں کی موجودگی کے باوجود کہیں بھی انقلاب کے کوئی آثار بھی دور دور تک دکھائی نہیں دیتے۔ آخر اس کا کوئی سبب تو ہے! غور طلب مسئلہ ہے کہ اس کی

وجہ کیا ہے؟ یہی سنی مسلمان سُن ہو کر کیوں رہ گئے ہیں؟ یہ بڑا حساس مسئلہ (SENSITIVE ISSUE) ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا میں نے آج تک اس پر کبھی گفتگو نہیں کی ہے۔

لیکن کچھ دنوں سے میں شدت کے ساتھ سوچ رہا ہوں کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ لازمی طور پر فکراور نظریے کے اندر کہیں کوئی خامی موجود ہے! مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ معاشی مسئلے پر کھڑے ہو جائیں گے، سیاسی مسئلے پر کھڑے ہو جائیں گے، کسی کی ٹانگ گھسیٹنے کو جمع جلائیں گے، سینکڑوں لوگ جائیں بھی دے دیں گے، لیکن اقتصادی نظام کو تبدیل کرنے کے لیے کوئی منظم کوشش کہیں نظر نہیں آتی۔ ایسی منظم کوشش اسی دور میں ایرانیوں نے کر کے دکھا دی ہے۔ جیسا کچھ بھی اُن کا دین ہے، جو بھی اُن کی فقہ ہے اور جو بھی اُن کے تصورات ہیں اُن سے ہمیں لاکھ اختلاف ہے، لیکن انہوں نے اسے نافذ تو کر کے دکھا دیا ہے۔ اور ہم نے کیا کیا؟ ہمارے ہاں بادشاہتیں چل رہی ہیں، ان بادشاہوں کے لیے ایک ایک محل کی تعمیر پر اربوں ڈالر صرف ہوتے ہیں، جہاں بادشاہ سلامت کو سال بھر میں زیادہ سے زیادہ چار چھ دن قیام کرنا ہوتا ہے جب کہ آپ اُسی ملک کے اندر جا کر دیکھیے کہ انسان بالکل حیوانوں کی طرح رہتے ہوئے بھی نظر آئیں گے۔ تو یہ نظام ہمارے ہاں کیوں نہیں بدل رہا؟

ان دنوں خاص طور سے مجھ پر یہ سوچ جو بہت زیادہ طاری ہے تو اس کی وجہی میں بیان کیے دیتا ہوں۔ گزشتہ دنوں جب جہاد افغانستان بڑی شدت کے ساتھ جاری تھا اور روسی افواج ابھی افغانستان سے نہیں نکلی تھیں اُس وقت ایک بات متواتر سننے میں آرہی تھی کہ روسی ترکستان کی ریاستوں سر قند و بخارا وغیرہ میں جہاد افغانستان کے اثرات بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں، ان میں دینی جذبات زندہ ہو رہے ہیں۔ اور ان شاء اللہ روس کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے اور افغانستان میں اس کی مداخلت کے نتیجے میں ان تمام ریاستوں میں بغاوت

ہو جائے گی۔ لیکن میں حیران ہوں کہ بغاوت ہوتی تو سب سے پہلے یورپی علاقوں میں ہوتی۔ روس کی گرفت ذرا کمزور پڑی تو یورپ میں ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور چوتھا ملک روسی استبداد کی زنجیریں توڑنا نظر آیا۔ پھر یہ کہ روس کی اپنی ریاستوں مثلاً بالٹک سٹیٹس، لیتوانیا وغیرہ کے اندر بغاوت ہو گئی۔ گورباچوف نے جا کر معافیاں مانگی ہیں خوشامدیں کی ہیں کہ ہم روسی دستور میں طلاق کا حق رکھ دیتے ہیں، خدا کے لیے اس وقت علیحدہ نہ ہوں، آئندہ کے کسی مرحلے کے لیے ہم باقاعدہ دستوری راستہ کھول دیں گے لیکن انہوں نے اس کی ایک نہیں مانی! اس کے بعد اگر کوئی بغاوت کی خبر سننے کو ملی تو آذربائیجان سے جہاں شیعہ مسلمان آباد ہیں۔ یسٹ ریاستیں ساری سن پڑی ہوئی ہیں اور ابھی تک ان میں کہیں سے بیداری کی کوئی لہر نہیں اٹھی اور دورِ حاضر کا اتنا عظیم جہاد، جہادِ افغانستان بھی ان کے تہِ مُردہ میں جان نہ ڈال سکا، جس نے ع۔ جی اٹھے مُردے تری آواز سے“ کے مصداق کشمیریوں تک کو زندہ کر دیا، جن کے بارے میں ”تپسی تے ٹھس کر سی“ کا لطیف مشہور ہے!

میرے اپنے غور و فکر کی حد تک اس کی وجہ یہی ہے کہ سنی اسلام میں کچھ علمائے اس خیال کو عام کر دیا ہے کہ حاکموں کے خلاف بغاوت نہیں ہو سکتی۔ حاکم چاہے کیسا بھی ہو جب تک وہ آپ کو کفر کا حکم نہ دے، آپ اس کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے عمل میں شراب نوشی کرتا ہو، بدمعاشی کرتا ہو، کرتا رہے۔ لیکن بغاوت صرف اُس وقت ہو سکتی ہے جب وہ آپ کو کفر کا حکم دے۔ اس خیال نے سنی تصورات کے اندر ایک طرح کا انفعالی (PASSIVE) انداز پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ جو چیلنج کرنے والا ACTIVE انداز ہے، وہ آج ہمیں پوری سنی دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ حکمرانوں کے طرز عمل پر گرفت کرنے کے سلسلے میں اس صحیح حدیث کے الفاظ کس قدر واضح اور دو ٹوک ہیں۔ لیکن حدیث کے ضمن میں اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ ایک حدیث پر توجہ کو مرکوز کر دیا جاتا ہے اور دوسری کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، پورے ذخیرہ احادیث پر متوازن انداز میں نظر نہیں رکھی جاتی۔ غور کیجئے کہ احادیث میں جہاں وہ حدیث موجود ہے کہ جب تک اربابِ اقتدار کفرِ لواح کا حکم نہ دیں، آپ ان کے خلاف

بغاوت نہیں کر سکتے، وہاں ایسی احادیث بھی تو موجود ہیں کہ جب ایسے لوگ برسراقتدار ہوں جن کی روش یہ ہو کہ "يقولون مالا يفعلون ويفعلون مالا يؤمرون" تو ان کے خلاف بندہ مومن کا ردِ عمل کیا ہونا چاہیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **فمن جاهد هم بیده فهو مؤمن! اگر بغاوت نہیں ہو سکتی تو یہ جہاد بالیکس شے کا نام ہے؟ اگر ان کے اختیارات کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا تو یہ الفاظ حضورؐ نے کیوں استعمال کیے؟** **فمن جاهد هم بیده فهو مؤمن، ومن جاهد هم بلسانہ فهو مؤمن، ومن جاهد هم بقلبه فهو مؤمن، وليس وراء ذلك من الايمان خبة خردل۔**

ہمارے ہاں اہل فکر کو دراصل عام طور پر اہلجدیث علماء نے عام کیا ہے، ورنہ امام عظیم امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہی ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کے خلاف بغاوت ہو سکتی ہے۔ علماءِ حدیث اور فقہائیں یہی توفیق ہے کہ عالم حدیث کی زیادہ توجہ حدیث کے الفاظ پر ہوتی ہے، جبکہ فقہ حدیث کے مفہوم کو مرکز توجہ بناتا ہے۔ وہ احادیث کو جمع کرتا ہے، ان کا تعابلقرتابے اور پھر کوئی نتیجہ نکالتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ فاسق و فاجر حکمرانوں کو پہلے سمجھانے کی کوشش کیجئے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر زبانی طور پر کیجئے۔ اگر اس کا اثر نہ ہو تو پھر تلوار کے ذریعے سے انہیں سیدھا کیجئے چنانچہ حنفی کے اندر اس بات کی اجازت موجود ہے۔ البتہ امام صاحب نے اس کے لیے یہ شرط عائد کی ہے کہ طاقت اتنی فراہم ہو جانی چاہیے کہ کامیابی یقینی ہو جائے، یا کم از کم اس کا ۵۱ فیصد امکان ہو۔ یہ نہیں کہ چند آدمی کھڑے ہو کر نعرہ لگائیں اور پھانسی چڑھ جائیں۔ اور بات ختم ہو جائے۔ بلکہ پہلے دعوت و تبلیغ اور تربیت کے ذریعے آپ ایسی منظم قوت فراہم کر لیں،

حضرت ابن مسعودؓ ہی سے مروی ایک حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں: **سيكون امراء بعدى يقولون مالا يفعلون ويفعلون مالا يؤمرون** (مسند احمد حدیث ۴۳۶۱۳) ترجمہ: **عقرب میرے بعد ایسے امراء (حکام) آئیں گے جو کہیں گے وہ بات جس پر عمل نہیں کریں گے اور کریں گے وہ کچھ جس کا انہیں حکم نہیں دیا گیا!**

پھر آپ انتہائی قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ ہمارے دین میں بغاوت حرام نہیں ہے۔ اس معاملے میں میری رائے میں امام ابوحنیفہؒ کا موقف کتاب و سنت سے اقرب ہے۔

اس دور میں جیسا کہ اس سے پہلے بھی تفصیلاً عرض کیا جا چکا ہے، بغاوت کا ایک بدل ALTERNATIVE سامنے آیا ہے اور اب طاقت کا استعمال مسلح تصادم کے بغیر بھی ممکن ہے۔

وہ یہ کہ میدان میں نکل کر اس طرح کے بھڑو پڑھا رہے اور PICKETING کرنا کہ حکومت کو گھنٹنے ٹیکنے پڑ جائیں! آپ کو یاد ہو گا کہ ضیاء الحق صاحب کے مارشل لا۔ کو بھی صرف تین برس بھی نہیں ہوتے تھے، جب اہل تشیع نے سیکرٹریٹ کا گھیراؤ کر لیا تھا اور اس جاندار مارشل لا۔ کے چپ مارشل لا۔ ایڈمنسٹریٹر سے ناک رگڑ والی تھی۔ اسے ان کے تمام مطالبات ماننے پڑے تھے اور ایرانی شیعوں نے تو اس دور کی سب سے بڑی مثال قائم کر کے دکھادی۔ انہوں نے

منظم مظاہرے کیے، لاکھوں کی تعدادیں سڑکوں پر نکل آئے اور ہزاروں کی تعداد میں جانیں قربان کر دیں۔ خاص طور پر اُس روز جس دن شاہ نے بھاگ جانے کا فیصلہ کیا، کئی ہزار ایرانیوں کے لاشے میدان میں پڑے تڑپ رہے تھے۔ اور شہنشاہ ایران کو اپنی لاکھوں کی فوج اور

حلیفوں کی حمایت کے باوجود اس طرح راہ فرار اختیار کرنا پڑی کہ

دو گز زمیں بھی مل نہ سکی کونے یار میں!

نہی عن المنکر میں اولین ہدف — فتنۃ النساء

ہم اپنے معاشرے میں پھیلے ہوئے منکرات کا جائزہ لیں تو ان میں ایک بہت بڑا منکر آزادی نسواں کا فتنہ ہے۔ حضرت اسام بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِئْتَنَةً اَضْرَعُ عَلَي الرِّجَالِ مِیْنَ

النِّسَاءِ (متفق علیہ)

”میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں کے فتنے سے زیادہ نقصان دہ فتنہ اور

کوئی نہیں چھوڑا“

ہمارے معاشرے میں اس "فتنۃ النساء" نے درحقیقت بہت سی گندگی پھیلانی ہے۔ عورتوں کا نشوز، ان کا تبرج، ان کا بن سنور کر رکھنا اور اخبارات کا ایسی حیا باختہ عورتوں کی تصویروں کو گھر گھر پہنچانے کا بیڑا اٹھالینا واقعہ اس وقت ہمارے معاشرے کا ایک بہت تباہ کن فتنہ ہے اور یہ ایسا بڑا منکر ہے جس کے خلاف اقدام کی ضرورت ہے۔ نہی عن المنکر کے ضمن میں یہ بات جان لیجئے کہ ہمیں یقیناً ایک تدریج سے چلنا ہوگا اور اس تدریج میں سب سے مقدم اس فتنۃ النساء کی سرکوبی ہے، اس لیے کہ معاشرے کے اندر سب سے زیادہ اثر اسی کا پھیلا ہوا ہے۔ اگرچہ یہاں دوسرے منکرات بھی موجود ہیں اور ہمیں ان سب سے نبرد آزما ہونا ہے۔ مثال کے طور پر سود ایک بہت بڑا منکر ہے، زمینداریاں، جاگیر داریاں اور تقسیم دولت کا غلط نظام یہ سب ایسے منکرات ہیں جن کی بیخ کنی کرنا ہے لیکن چونکہ ہمارے دین میں سب سے زیادہ تفصیلاً عائلی قوانین اور نظام معاشرت کے بارے میں ہیں اور یہ معاملہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے، لہذا اولین ترجیح اسی کو حاصل ہوگی۔ اور اسلام کا عائلی اور معاشرتی نظام ہی وہ چیز ہے جسے ہمارے عوام سب سے زیادہ جانتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں۔ لہذا منکرات کے خلاف ہماری شکر یک مزاحمت (RESISTANCE MOVEMENT) جب بھی اٹھے گی اس کا آغاز اسی سے ہوگا!

پچھلے دنوں ہمارے ہاں اس فتنۃ النساء کے بعض ایسے مظاہر سامنے آئے ہیں جو ایک عجیب تضاد کو ظاہر کرتے ہیں۔ ایک طرف تو عورتوں کا مطالبہ ہے کہ انہیں برابری کے حقوق دیتے جائیں، شلٹا میڈیکل کالجوں میں داخلہ اپن میرٹ کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اگر لڑکی کے نمبر زیادہ ہیں تو اس کا حق ہے کہ اس کو داخلہ ملے۔ یورپ کی نقابلی میں مساوات مرد و زن کا مطالبہ کرنے والی خواتین کو اس مساوات کا نمونہ یورپ میں جا کر دیکھنا چاہیے کہ کوئی بڑھی بھئی عورت بس میں کھڑی ہوگی اور کوئی جوان آدمی بھی اس کے لیے اپنی سیٹ چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔ وہاں کی عورت برابر کے حقوق شہریت رکھتی ہے اور اس کو اس معاشرے میں کسی قسم کی کوئی رعایت نہیں ملتی۔ لیکن ہمارے ہاں مساوات مرد و زن کے نعرے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف حال یہ ہے کہ اسمبلی میں خواتین کی نشستیں مخصوص کی جاتی ہیں۔ حالانکہ اگر برابری کا معاملہ ہے تو یہ کیوں میدان میں آکر ایکشن نہیں لڑتیں؟ اگر ان کے لیے مردوں کے شاہد نشانہ ایکشن

لڑنے کی اجازت بھی رکھی گئی ہے تو پھر ان کی علیحدہ نشستوں کے کیا معنی ہے اگر بے نظیر عام ایکشن لڑ کر ایک سے زائد جگہ سے کامیاب ہو سکتی ہیں اور اگر عابدہ حسین مردوں کے مقابلے میں ایکشن جیت سکتی ہیں تو باقی خواتین اسی راستے سے کیوں نہیں آتیں؟ اور آپ نے یہ طرفہ تماشا ملاحظہ کیا کہ اس نئی حکومت کے قیام سے لے کر اب تک حکومت اور اپوزیشن کے مابین جس واحد بات پر اتفاق رائے ہوا ہے وہ یہی ہے کہ عورتوں کی علیحدہ نشستوں کا معاملہ برقرار رکھا جائے! ناطقہ سرگرمیاں ہے...! اس عرصے میں اور کسی پہلو سے کوئی پیش رفت نہیں ہوئی، کسی اور معاملے پر حکومت اور اپوزیشن کا اتفاق رائے نہیں ہوا حتیٰ کہ اب تک کسی قسم کی کوئی قانون سازی بھی نہیں ہو سکی، لیکن اس ایک معاملے میں جو اسلام کے مزاج کے صریحاً خلاف ہے، فریقین کا اتفاق رائے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کے تمدنی تصورِ امت میں کوئی فرق نہیں، ان کی ذہنیتیں ایک سی ہیں، حکومت ہو یا اپوزیشن جدید مغربی معاشرت اور مغربی تہذیب میں دونوں رنگے ہوتے ہیں، اور ان میں سے کسی کو بھی اسلامی تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں، لہذا اس مسئلے پر ان میں اتفاق ہے۔ اور ہمارے مرحوم صدر رضی اللہ عنہما صاحب نے تو عورتوں کی نشستیں ایک دم دو گنی کر دی تھیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے اور کمال یہ ہے کہ اگرچہ اس مسئلے پر مولانا مسیح الحق صاحب کا بیان آیا ہے اور انہوں نے اسے غیر اسلامی اور مغربی تہذیب کا مظہر قرار دیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا ہے کہ اس کے باوجود جو مسلم لیگ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ تو وہی روش ہوئی جس سے ان آیات اور احادیث میں روکا گیا ہے کہ غلط بات کو غلط بھی کہنا لیکن ساتھ بھڑ بھی دیتے رہنا۔ اگر یہ غلط ہے تو غلط کا ساتھ کا ہے کوڑے رہے ہیں۔ ان سے ترک تعلق کیوں نہیں کرتے؟

اس بارے میں میرا موقف بالکل واضح ہے اور میں بارہا اسے بیان کر چکا ہوں کہ میرے نزدیک اس طرح کی مخلوط اسمبلیوں میں کسی عورت کا رکن اسمبلی ہونا ہی اسلام کے خلاف ہے۔ اگر آپ عورت کے وزیر اعظم ہونے پر اعتراض کرتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ عورت کا وزیر ہونا بھی تو قابل اعتراض ہے۔ اس کا تو کام ہے کہ گھر کے اندر اپنی ذمہ داریاں نبھالے، اسلام مرد اور عورت کے لیے الگ الگ دائرہ کار متعین کرتا ہے۔ آپ خواتین کو اسمبلی میں لانا چاہتے

ہیں تو ان کے لیے علیحدہ اسمبلی بنادیں۔ خواتین ووٹریں خواتین ارکان اسمبلی کا انتخاب کریں اور وہ ان کی نمائندہ بن کر اپنی علیحدہ اسمبلی میں بیٹھیں۔ اور یہ طے کر دیا جائے کہ جو بھی قانون سازی ہو وہ پہلے مردوں کی اسمبلی سے پاس ہو اور اس کے بعد اگر اسے خواتین کی اسمبلی سے بھی اکثریت ملے تب وہ کامیاب قرار دی جائے۔ اسی طرح میڈیکل کی تعلیم کے لیے بھی خواتین کے علیحدہ کالج بنائے جائیں، جن کا اپنا میرٹ ہو۔ اس وقت ہمارے پاس اتنی خواتین پروفیسرز اور ڈاکٹرز موجود ہیں کہ وہ پورے پورے کالج چلا سکتی ہیں۔ اسی طرح خواتین کے ہسپتال بھی علیحدہ ہوں جہاں سے ان کی تعلیمی ضروریات پوری ہو سکیں۔ تاہم یہ سب کچھ اسی وقت ہوگا جب مغربی تہذیب کا جھوٹا سر سے اترے گا۔ لیکن اگر آپ اس کے لیے تیار نہیں تو ٹھیک ہے، انہیں ہر معاملے میں برابری کا حق دیکھتے کہ میر وہ کھلم کھلا میدان میں آکر ایکشن بھی لڑیں اور اپن میرٹ پر دعوے بھی حاصل کریں! بہر حال یہ دو طرفہ معاملہ قابل قبول نہیں ہے کہ ایک طرف تو اسمبلی کی سطح پر خواتین کی مخصوص نشستیں ہوں اور ان کا بالواسطہ (INDIRECT) ایکشن ہو رہا ہو، اور دوسری طرف میڈیکل کالجوں کے داخلے میں اپن میرٹ کا معاملہ کیا جائے کہ لڑکے لڑکیاں سب کو برابری کی بنیاد پر داخلہ مل سکے۔ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ ان طالبات کی اکثریت شادی کے بعد میڈیکل پروفیشن کو ترجیح دیتی ہے۔ بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جو پھر ساری عمر شادی نہیں کرتیں لیکن ظاہر بات ہے یہ ایک خلاف فطرت زندگی ہے جو ہمارے دین کے مزاج کے بحیر خلاف ہے۔ اور یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے: مَنْ رَغِبَ عَنِ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ جسے میری سنت پسند نہیں، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے! معلوم ہوا کہ یہ چیزیں پسندیدہ نہیں ہیں۔ لیکن چلیے اگر یہی کچھ کرنا ہے تو آپ ہمیں دو طرفہ مار تو نہ ماریں۔! دین کے اعتبار سے تو یہ دونوں چیزیں غلط ہیں لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا، یہ دو طرفہ پالیسی خود ان کے اپنے موقف اور اپنے معیارات کے اعتبار سے بھی تضاد پر مبنی ہے۔ اس تضاد کو رفع ہونا چاہیے۔!

میں نے یہاں اس کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا ہے کہ مولانا مسیح الحق صاحب نے اس کو غلط اور غیر اسلامی کہنے کے باوجود یہ بھی کہا کہ ہم ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح تو برائی

کو بُرائی کہنے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے سوتے ظن سے بچائے، یہ تو ایک ایسی کوشش معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف تو اس کھاتے میں بھی نام لکھوادیا جائے کہ ہم نے بُرائی کو بُرائی کہا ہے، لیکن دوسری طرف اپنی سیاسی مصلحت پر بھی آئیں نہ آئے۔ حدیث نبوی تو یہ بتا رہی ہے کہ بُرائی کو بُرائی کہہ دینا کافی نہیں ہے، بلکہ "وَتَخْلَعُ وَتَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ" کے مصداق جو لوگ بُرائی کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں ان سے قطع تعلق کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر یہ نہیں ہوتا تو پھر از روئے فرمان نبوی دل بھی باہم مل جائیں گے، جڑ جائیں گے۔ اور سب کے دلوں پر ایک سارنگ چڑھ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے بچائے!!

عذابِ الہی سے نجات کی واحد راہ

یہ ہماری آج کی گفتگو کا آخری موضوع ہے۔ اس سلسلے میں میں نے قرآن حکیم کے دو مقامات کا انتخاب کیا ہے، جن سے واضح ہوتا ہے کہ جب کسی قوم پر اللہ کی طرف سے عذاب آتا ہے تو اُس عذاب سے صرف وہی لوگ بچائے جاتے ہیں جو آخری وقت تک نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتے رہتے ہیں۔ ورنہ گیہوں کے ساتھ بالعموم گھٹن بھی پس جاتا ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی: **وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبُنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً** (الانفال: ۲۵) کہ لوگو، بچتے رہو اللہ کے اُس عذاب سے جو تم میں سے صرف انہی لوگوں کو اپنی لپیٹ میں نہیں لے گا جو بدکار تھے۔ بلکہ جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو دوسرے لوگ بھی جو اگرچہ اُس حرام خوری میں ملوث نہ ہوں، اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ اس سے بچاؤ کی ضمانت صرف ان کے لیے ہے جو نہی عن المنکر کے فریضے کو آخری وقت تک سرانجام دیتے رہیں۔

چنانچہ فرمایا:

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةَ يَتَهَوَّنَ
عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُ
وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ

(ہود: ۱۱۶)

”سوکیوں نہ ہونے ان قوموں میں جو تم سے پہلے تھیں کچھ ایسے لوگ جن میں خیر کا اثر باقی رہ گیا تھا کہ وہ زمین میں فساد سے منع کرتے رہتے، مگر تھوڑے کہ جنہیں ہم نے بچا لیا ان میں سے۔ اور سچھے پڑے رہے ظالم اسی چیز کے جس میں انہیں عیش ملا اور تھے وہ گناہ گار!“

یعنی پہلی قوموں میں سے جن لوگوں نے آخری دم تک یہ شرط پوری کی کہ وہ نہی عن المنکر کا فرضیہ سرانجام دیتے رہے، اللہ نے انہیں عذاب سے بچا لیا۔ لیکن جن لوگوں نے یہ شرط پوری نہیں کی وہ اسی عذاب یافتہ قوم کے ساتھ لپیٹ میں لے لیے گئے۔ اس آیت کا آخری ٹکڑا بڑا عجیب ہے۔ اگر آپ اپنے اس وقت کے معاشرے کو بھی دیکھیں تو وہی نقشہ نظر آئے گا جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: **وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أَتَوْا فِيهِ** — اور وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تھی وہ اسی طور طریقے کے سچھے پڑے رہے جس میں انہیں دولت و ثروت حاصل ہوئی تھی۔ دن رات ایک ہی فکریہ ہے، ایک ہی دھن سوار ہے اور ایک ہی سوچ طاری ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت سیٹ لی جائے اور پھر اپنے اتوں تلوں، شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں اسراف و تبذیر کے ذریعے اس دولت کی بھرپور نمائش کی جائے فرمایا: **وَكَانُوا مُجْرِمِينَ** — اور وہ سب مجرم تھے! اور اسی جرم کی پاداش میں ان پر اللہ کا عذاب آیا۔ بہر حال اس وقت اس پوری آیت کا درس دینا مقصود نہیں، صرف **إِذْ قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ** کے اعتبار سے حوالہ دیا جا رہا ہے کہ ان میں بہت ہی قلیل تعداد میں وہ لوگ تھے جو برائی سے روکتے رہے اور انہیں کو ہم نے نجات دے دی! یہی مضمون سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۶۵ میں بھی وارد ہوا ہے:

فَلَمَّا سَوَّأْنَا مَا دَكَّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَلِيْسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝

”پس جب انہوں نے مجھلادیا اس نصیحت کو جو انہیں کی گئی تھی، تو نجات دی ہم نے ان کو جو منع کرتے تھے برائی سے، اور کچھ انہنگاروں کو رزے عذاب میں بسبب ان کی نافرمانی!“

اس آیت مبارکہ میں یہود کے ایک قبیلے کا ذکر ہے جو ساحلِ سمندر پر آباد تھا۔ یہود کو سبتِ ہفتہ کا پورا دن یادِ الہی میں بسر کرنے کی ہدایت تھی اور اس روز ان کے لیے کسی ذمیوی کا روبرو کی اجازت نہ تھی۔ انہوں نے سبت کے قانون کو توڑنے کے لیے یہ حیلہ اختیار کیا کہ ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑتے تو نہیں تھے، لیکن سارا دن ساحل کے ساتھ ساتھ کھڑائی کرتے رہتے اور بڑے بڑے گڑھے بنا کر ان میں سمندر کا پانی لے آتے تھے جس میں مچھلیاں بھی آجاتی تھیں۔ اگلے روز اتوار کو جا کر وہ ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے تھے۔ گویا کہ سبت کے قانون کے اصل مقصد یعنی عبادت و ریاضت، ذکر و فکر، دعا و مناجات اور تلاوت کتابِ الہی کو کسر نظر انداز کر کے اس کے بجائے سارا دن دنیا کے دھندے میں لگے رہتے، لیکن قانونی طور پر اس حیلے کا سہارا لیتے اور صاف صاف کہتے کہ ہم تو سبت کے قانون کی پابندی کرتے ہیں۔ ہم ہفتہ کو تو مچھلیاں نہیں پکڑتے، بلکہ اتوار کو پکڑتے ہیں۔ اس پر قوم تین حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک گروہ وہ تھا جو اس جرم کا ارتکاب کر رہا تھا۔ دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو اگرچہ اس جرم میں متوث نہیں تھے اور اس کام کو غلط بھی سمجھتے تھے، لیکن وہ اس کا ارتکاب کرنے والوں کو روک ٹوک کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ گویا نبی عن اللہ کا فریضہ سرانجام نہیں دے رہے تھے۔ تیسری قسم کے لوگ وہ تھے جو اللہ کے فضل و کرم سے خود بھی اس نافرمانی سے بچے ہوئے تھے اور جو لوگ یہ غلط روش اختیار کیے ہوئے تھے انہیں وہ روکتے ٹوکتے بھی تھے۔ اس سے پہلی آیت نمبر ۱۶۴ میں ان میں سے دوسری قسم کے لوگوں کا قول بیان ہوا ہے: لَمَّا تَعْظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُمْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا قَسِيدًا۔ "کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے؟ یعنی اللہ تعالیٰ تو اب ان کو ہلاک کر کے رہے گا یہ قوم اب بار آنے والی نہیں ہے، تم خواہ مخواہ انہیں روکنے کی کوشش میں اپنے آپ کو کیوں ہلکان کر رہے ہو؟ کیوں ان کے پیچھے لگے ہوئے ہو اور اپنی توانائیاں ضائع کر رہے ہو؟ ان کا جواب تھا: مَعذَرَةٌ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ۔ "تمہارے رب کے حضور عذر پیش کرنے کی غرض سے اور شاید کہ وہ تقویٰ کی روش اختیار کر سکیں! یعنی ہم تو اپنا نبی

عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے رہیں گے کیونکہ ہمیں تو اللہ کے حضور معذرت پیش کرنی ہے کہ لے
اللہ ہم تو انہیں آخری وقت تک روکتے رہے، ہم اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ اور پھر کیا عجب
کہ ہمارے سمجھانے سے اللہ کسی کے دل میں تقویٰ پیدا کر دے اور اسے اپنا طرز عمل بدلنے
کی توفیق عطا فرما دے! اب اس کے بعد فرمایا گیا: فَلَمَّا سَأَلُوا مَا ذُكِرُوا بِهٖ —
”توجیب انہوں نے نظر انداز کر دیا اس ساری نصیحت کو جو انہیں کی جا رہی تھی۔ ان تک جو بھی
نبی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا جا رہا تھا، اس سے ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔
اَجْبَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ الشُّوْءِ — ”ہم نے بچالیا ان لوگوں کو جو بُرائی سے
روکتے رہے تھے۔“ وَآخِذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بَعْدَ اِيْبٍ بِئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ
”اور جو لوگ ظلم کی روش اختیار کیے ہوئے تھے انہیں ہم نے ایک بہت بُرے عذاب میں پکڑ لیا
بسبب اس کے کہ وہ فسق و فجور میں مبتلا تھے!“

قرآن حکیم کے یہ دو مقامات ہیں جن کی رو سے عذاب الہی سے نجات کی ضمانت
صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو نبی عن المنکر کا فریضہ آخری وقت تک سرانجام دیتے رہیں،
قطع نظر اس سے کہ اس کا اثر ہویا نہ ہو، لوگ یائیں یا نہ یائیں!!
آخر میں اسی مضمون سے متعلق ایک حدیث کا مطالعہ کر لیجئے۔

اس حدیث کے راوی حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ وہ خذیفہ نہیں جو صاحب
سیرۃ النبیؐ (نبیؐ کے رازدان) کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے ایک موقع پر انہیں بعض افراد کے بارے میں نام بنام بتا دیا تھا کہ فلاں فلاں شخص منافق
ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ خذیفہ یہ میرا ایک راز ہے، اسے کسی کو بتانا نہیں! اس لیے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے نفاق کا پردہ چاک نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ
عبداللہ ابن ابی کی نمازہ جنازہ بھی پڑھادی جو کہ منافقین کا سردار تھا۔ میرے دروس میں یہ مضمون
بڑی تفصیل سے آچکا ہے کہ اسلامی ریاست میں CATEGORIES بس دو ہی ہیں —
مسلم اور غیر مسلم۔ باقی رہے منافق تو وہ قانونی طور پر مسلمان ہی شمار ہوتے ہیں۔ بہر حال حضورؐ نے

چونکہ انہیں ایک راز کے طور پر منافقین کے نام بتا دیئے تھے اس لیے ان کا نام صاحبِ سر النبیؐ پڑ گیا تھا۔ اور یہاں یہ بھی نوٹ کیجئے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا تھا: ”اے حذیفہؓ! میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھ رہا ہوں، کہیں میرا نام تو ان میں نہیں تھا؟ اپنے ایمان کے بارے میں اس درجے احساس تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو، کہ کہیں اس دولتِ ایمان پر نفاق کا ڈاکہ نہ پڑ جائے! اور ہم اس درجے بے پروا ہیں کہ ہمیں اس کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، تو اپنے مومن حقیقی ہونے پر مکمل یقین حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاحِ احوال کی توفیق عطا فرماتے!

عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :

حَضْرَتِ حَذِيفَةَ نَبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ رِوَايَتِ كَرْتِ هِيَ كَرَأَبُ نَعْمَ رَمَا :

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے

لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوَنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ

تمیں لازماً نبی کا حکم دینا ہوگا اور تمہیں لازماً بدی سے روکنا ہوگا

أَوْ لَيُؤَيِّدَنَّ اللَّهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ

ورنہ پھر اس کا شدید اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی جانب سے ایک بڑا شدید عذاب بھیجے گا

ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ

پھر تم اسے پکارو گے، لیکن تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيثٌ حَسَنٌ

اسے روایت کیا امام ترمذیؒ نے اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں ذرا اپنے حالات کا جائزہ لیجئے۔ آج اس کا کیا سبب ہے کہ ہم اللہ کے حضور دعائیں کرتے ہیں، اگر گڑگڑاتے ہیں، لیکن فتنے ہیں کہ پھیلنے ہی جا رہے ہیں، فساد کی آگ بڑھتی ہی جا رہی ہے، امن و امان ختم ہو چکا ہے، رات کا چہین اور دن کا اطمینان رخصت

ہو چکا ہے، بالفاظِ قرآنی: ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ ”بحر و بر میں فساد پھیل چکا ہے“، لیکن ہم یہ نہیں سوچتے کہ یہ اللہ کے عذاب کی ایک صورت ہے اور نہ ہی ہمیں اس کی فکر ہے کہ اس عذاب سے بچنے کا راستہ کون سا ہے!!

آج کے درس کا حاصل یہ ہے کہ اس عذاب سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے نہی عن المنکر! اس کا کم سے کم درجہ جسے اختیار کرنا دنیاوی عذاب سے بچنے کے لیے ضروری ہے وہ باللسان ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جدوجہد کی جلتے اور ایسی جمعیت اور قوت فراہم کی جائے جو نہی عن المنکر بالید کا فریضہ سرانجام دے سکے۔ یہی دو کام ہیں جو ہم اللہ کی تائید و توفیق سے کر رہے ہیں۔ انجمن خدام القرآن کی سطح پر قرآن کی یہ دعوت و تبلیغ، تعلیم و تعلم اور نشر و اشاعت — اور پھر تنظیم اسلامی کے نام سے ایک قوت فراہم کرنے کی کوشش! اللہ تعالیٰ کو جیسے سچے منظور ہوگا، جب منظور ہوگا، اس کے نتائج ظاہر ہو جائیں گے۔ ہمیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ ہمارے لیے یہ کافی ہے کہ ہم ”قَالُوا مَعذَرَةٌ إِلَىٰ رَبِّكَرَ وَلَا لَهَا يَتَّقُونَ“ کے مصداق اللہ کی جناب میں ایک معذرت پیش کرنے کے قابل ہو جائیں اور پھر کیا معلوم کہ رب اللہ تعالیٰ کسے توفیق عطا فرمادیں۔ کل کی کسے خبر ہے کہ کون کہہ سکتا تھا کہ عمر جو اپنے گھر سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے چلا تھا، وہ ان کی خدمت میں اپنی تلوار اپنے گلے میں لٹکا کر حاضر ہو جائے گا، جیسے غلام لٹکا کر کرتے تھے۔ حالات کو بہتے ہوئے اللہ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں ہے۔ لہذا ہمیں اپنا کام کرتے رہنا چاہیے۔ اور اپنی دینی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہرگز کسی غفلت یا تساہل کا معاملہ نہیں کرنا چاہیے۔ آج ہم نے جن آیات مبارکہ اور احادیث شریفہ کا مطالعہ کیا ہے، ان سب کے متن پر مثل ایک ڈوورق آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ کو دوبارہ پڑھیے، اسے مزاجان بنائیے اور اس سے آپ پر جو بھی حقیقت منکشف ہو اس پر اللہ تعالیٰ سے عمل کی توفیق طلب کیجیے!

اقول قولی هذا واستغفر الله لي ولكم ولسائر المسلمين والمسلمات

نبی عن منکر کی خصوصی مہمیت

علماء و صلحاء کے گمراہی کے حاصل کام

اور عذابِ الہی سے نجات کی واحد راہ

بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ وَمَا نَحْنُ بِمُحَدِّثِيهِمْ وَلَكِنَّ كَثِيرًا
مِنْهُمْ فِي قُلُوبٍ

المائدہ: آیات ۸۱ تا ۸۲

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَيْتَكُمْ
يُنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَهْبَأْنَا مِنْهُمْ
وَالْبَيْتَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أَتَوْا بِهِمْ وَكَانُوا بَاطِلِينَ

ہود: آیت ۱۱۶

فَلَمَّا سَأَلْنَا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَهْبَأْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا
الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَاطِلٍ يَمَسُّ مَنْ كَفَرُوا فَسَاءَ لِمَنْ كَفَرَ

الاعراف: آیت ۱۲۵

وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ
يُؤْتُونَ فِي الْأَمْوَالِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْظَمُوا السُّوءَ لَيْشَ مَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَوْلَا يُنْفِكُهُمُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ وَالْأَحْبَابُ عَنْ قَوْلِهِمْ
الْإِيمَانُ وَالْأَكْظَمُوا السُّوءَ لَيْشَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝

المائدہ: آیات ۶۳-۶۴

لَعْنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى
إِسْحَاقَ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝
كَانُوا لَا يَتَنَبَّأُونَ عَنْ فَتْنِكَ فَعَلُوهُ لَيْشَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝
تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيْشَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ
أَنْ يَحْضُرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ لَهُمْ خِلَافُونَ ۝ وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم
يقول: « من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فليسانه
فإن لم يستطع فقلبه وذلك أضعف الإيمان، رواه مسلم.

عن ابن مسعود رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم

قال: « ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون
وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره، ثم إنها تخلف من بعدهم
خُلوف يقولون ما لا يفعلون ويفعلون ما لا يؤمرون، فمن جاهدكم بيده
فهو مؤمن، ومن جاهدكم بلسانه فهو مؤمن، ومن جاهدكم بقلبه فهو
مؤمن وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل، رواه مسلم.

عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : « إِنَّ أَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُولُ : يَا هَذَا أَتَى اللهُ وَدَعَا مَا تَصْنَعُ فَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلَى حَالِهِ فَلَا يَمْنَعُهُ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ أَكْبَلَهُ وَشَرِيهَهُ وَقَعِيدَهُ فَلَمَّا فَعَلُوا ذَلِكَ ضَرَبَ اللهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ ، ثُمَّ قَالَ : ﴿ لَعْنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿ فَاسِقُونَ ﴾ ثُمَّ قَالَ : « كَلَّا وَاللَّهِ لَتَأْمُرَنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَلَتَأْخُذَنَّ عَلَى يَدِ الظَّالِمِ وَلَتَأْطِرْنَهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا وَلَتَقْصُرْنَهُ عَلَى الْحَقِّ قَصْرًا أَوْ لَيَضِرَّنَّ اللهُ بِقُلُوبِ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ ثُمَّ لَيَلْعَنَنَّكُمْ كَمَا لَعَنَهُمْ » رواه أبو داود ، والترمذى وقال : حديث حسن . هذا لفظ أبي داود ، ولفظ الترمذى قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لما وقعت بنو إسرائيل في المعاصي تهتهم علماءؤهم فلم ينتهوا فجالسوهم في مجالسهم وواكلوهم وشاربوهم فضرب الله قلوب بعضهم ببعض ولعنهم على لسان داود وعيسى ابن مريم ذلك بما عصوا وكانوا يعتدون ، جلس رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان متكئا فقال : لا والذي نفسى بيده حتى تأطروهم على الحق أطرا . قوله « تأطروهم » : أى تعطفوهم . ولتقصرنه : أى لتحبسنه .. »

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : « بنی اسرائیل میں جو اولین نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص کسی دوسرے

سے ملاقات پر کہتا تھا: اے فلاں! اللہ سے ڈرو اور جو کام تم کر رہے ہو اسے چھوڑ دو! اس لیے کہ وہ تمہارے لیے جائز نہیں ہے! لیکن پھر جب ان کی اگلے روز ملاقات ہوتی تھی تو اس کے باوجود کہ وہ شخص اپنی اسی روش پر قائم ہوتا تھا یہ بات اس پہلے شخص کو اس کے ساتھ کھانے پینے میں شرکت اور مجالست سے نہیں روکتی تھی، تو جب انہوں نے یہ روش اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی باہم مشابہ کر دیا! اس کے بعد آپ نے آیات قرآنی (سورہ مائدہ ۷۸ تا ۸۱) "لَعْنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ سَاسِقُونَ" تک تلاوت فرمائیں اور پھر فرمایا: "ہرگز نہیں! خدا کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور بدی سے روکنا ہوگا اور ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا ہوگا، اور اسے جبراً سحق کی جانب موڑنا اور اس پر قائم رکھنا ہوگا ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک دوسرے کے مانند کر دے گا اور پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت فرمائے گا جیسے ان پر کی تھی! اس حدیث کو روایت کیا امام ابو داؤد اور امام ترمذی نے۔ متذکرہ بالا الفاظ روایت ابنی داؤد کے ہیں۔ روایت ترمذی کے الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب بنی اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہوئے تو (ابتداء میں) ان کے علمائے ان کو ان سے روکا لیکن جب وہ باز نہ آئے اور (اس کے باوجود) انہوں نے ان کی کوشش اور باہم کھانا پینا جاری رکھا تو اللہ نے ان کے دل بھی باہم مشابہ کر دیئے اور پھر ان پر داؤد اور علی بن مریم (علیہما السلام) کی زبانی لعنت فرمائی اور یہ اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی اور وہ حدود سے تجاوز کرتے تھے۔ اس کے بعد آنحضرتؐ کمر بیٹھ گئے درآں حالیکہ اس سے قبل آپ ٹیک لگاتے ہوئے تھے اور پھر آپ نے فرمایا: "نہیں! اس سہی کی قسم جس کے ہاتھ میں مسی جان ہے جب تک تم ان کو حق کی جانب موڑ نہ دو گے (تمہاری ذمہ داری ادا نہ ہوگی)" امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے!

عَنْ حُدَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:
 وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ
 لَيُوشِكَنَّ اللَّهُ أَنْ يَنْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوهُ فَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ.
 رواه الترمذی وقال: حديث حسن.

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

باہم لازم و ملزوم

ایک گاڑی کے دو پہیے یا ایک ہی تصویر کے دو رخ

(۱) شان باری تعالیٰ — التحل ۹۰

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْعَهْوَ وَالشُّكْرِ وَالْبَغْيِ يُعْطِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

(۲) امّت مسلمہ کے لیے سنہ کفائی

لا تحل عمل کانقطه عروج — ال عمران ۱۰۴

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقْوَاهُ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۴﴾ وَعَتَمُوا بِمَوْلَىٰ وَعَبَّيْلَ اللَّهِ حَبِيبًا وَلَا تَقْرَبُوا وَلَا تَكُونُوا زَعِمَاتٍ اللَّهُ عَدِيْبُهُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءُ فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ فَاصْبِرْ لَهُمْ فِي عَيْبَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَنْ تَكُنَّ فِرْقَتَكَ أُمَّةً يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۶﴾

(۲) تقاضاے فطرت و حکمت — لقمن ۱۴

يُنْفِقْ أَقْوَامًا لِلصَّلَاةِ وَأَمْرًا بِالْمَعْرُوفِ وَإِنَّمَا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۴﴾

(۳) شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم — الاعراف ۱۵۷

الَّذِينَ يَكْفُرُونَ الرُّسُولَ الَّذِي الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الْكَلِمَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْغَبْلَةَ

(۸) اصحاب اقرار کافرض عین — الحج ۴۱

الَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فِي الْأَرْضِ أَمَّا الصَّلَاةُ وَأَمَّا الزُّكُوتَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَاللَّهُ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۴۱﴾

(۴) شان صحابہ رضی اللہ عنہم — التوبہ ۷۱

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

(۹) سرفروش اور جانناز اہل ایمان

کے اوصاف کافرض و مسلم — التوبہ ۱۱۲

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِآثَرِهِمْ لِيُجِزَّهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدَا عَلَيْهِمْ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْرِرْ بِيَعْوَجِهِمْ الَّذِي بِيَعْوَجِهِمْ وَذَٰلِكَ هُوَ الْعَقْدُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۲﴾

(۵) کیفیت منافقین — التوبہ ۶۷

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُنَّ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ

(۶) امّت کافرض منصبی — ال عمران ۱۱۰

يُنْفِقُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُنَّ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۱۰﴾

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْعَدْلِ وَالْحُسْنِ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُرَوْنَ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ الْكَافِرُونَ ﴿۱۱۰﴾

المكتبة الحکیمية